ماہنامہ

جہدِ حق

پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق

Registered No. CPL-13

جلد نمبر 33... شمارہ نمبر 09... ستمبر 2025



☆ انسانی حقوق کی خلاف ورزی کے واقعات کی رپورٹ

1-وقوعہ کیا تھا:			
2-وقوعہ کب ہوا؟	سال	مہینہ	تاریخ
3-وقوعہ کہاں ہوا؟	گاؤں	محلّہ	
	ڈاک خانہ	تحصیل و ضلع	
4- کیا وقوعہ کا مقامی رسم و رواج سے تعلق ہے	ہاں	نہیں	
5-وقوعہ کیسے ہوا؟ (مختصر تفصیل)			

6-وقوعہ کا ماضی کے کسی دوسرے واقعہ سے تعلق اور اس کی مختصر تفصیل

7-وقوعہ کا شکار ہونے والے کے کوائف	نام	ولد / زوجہ	پیشہ

8-وقوعہ سے متاثر ہونے والے کے معاشی / سماجی حیثیت	بچہ / بچی	عورت / مرد	غریب / ان پڑھ	بوڑھا / بوڑھی	بیمار
	مخالف سیاسی کارکن	سماجی کارکن	اقلیتی فرقے کارکن	دیگر (تخصیص کریں)	

9-وقوعہ میں ملوث اشخاص کے کوائف:	نام	ولدیت / زوجیت	عہدہ	پیشہ
	-1			
	-2			
	-3			

10-وقوعہ کے ذمہ دار فرد / افراد کی معاشی / سماجی حیثیت	بڑا جاگیردار / زمیندار / بہت امیر آدمی	متوسط طبقے سے / غریب آدمی	بااثر صلاحیت / سیاسی اثر و رسوخ

11-وقوعہ کی پشت پناہی کرنے والے عناصر کے کوائف	نام اور ولدیت	عہدہ	پیشہ	پارٹی / ادارہ
	-1			
	-2			
	-3			

12-وقوعہ سے متعلقہ فریقین گواہان و غیر جانبدار افراد کے کوائف و موقف

وقوعہ سے تعلق	نام اور ولدیت	وقوعہ سے متاثر ہونے والے کے ساتھ تعلق / رشتہ داری	عہدہ	موقف
واقعہ سے متاثر				
واقعہ کا ذمہ دار				
چشم دید گواہ				
غیر جانبدار / پڑوسی				

13-اس قسم کے واقعات علاقہ میں کس قدر ظہور پذیر ہوتے رہتے ہیں	بہت زیادہ	اکثر اوقات	کبھی کبھار	کبھی نہیں
14-اس قسم کے واقعات اندازاً کتنی تعداد میں ہوتے ہیں	روزانہ	ماہانہ	سالانہ	

15-وقوعہ کے بارے میں HRCP نامہ نگار / اس کے ساتھ چھان بین کرنے والے / والوں کی رائے

رپورٹ بھیجنے والے کے کوائف:	نام	پتہ: گاؤں / محلّہ	شہر / ضلع

انسانی حقوق کے عالمی منشور کی کس شق کی خلاف ورزی ہوئی؟

دستخط: ....

تاریخ: ....

نوٹ: اگر تفصیلات فارم پر نہ آسکیں تو نمبر لکھ کر سادے کاغذ پر تفصیل درج کریں

☆ تمام ساتھی جو انسانی حقوق کے حوالے سے رپورٹیں بھیجتے ہیں آئندہ اس فارم کی فوٹو کاپی پر کوائف ُ کر کے بھیجیں

بلوچستان میں اعتماد کی بحالی اور تنازع کے حل کے لیے سیاسی مکالمہ اور انسانی حقوق کی پاسداری ناگزیر ہے

بلوچستان میں ایک فیکٹ فائنڈنگ مشن کے بعد پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق (ایچ آر سی پی) نے صوبے کو درپیش انسانی حقوق کے بحران پر شدید تشویش کا اظہار کیا ہے۔ مشن کی رپورٹ میں ایک تشویشناک رجحان دیکھا گیا ہے کہ جبری گمشدگیوں کا سلسلہ جاری ہے، جمہوری آزادیاں محدود ہو رہی ہیں، صوبائی خودمختاری کمزور پڑ رہی ہے اور قانون سے بالاتر رہنے کا رویہ بے لگام ہے — یہ تمام عوامل عوامی بیگانگی اور سیاسی عدم استحکام کو مزید بڑھا رہے ہیں۔

مشن کے مطابق، اگرچہ ریاستی نمائندے اب جبری گمشدگیوں کے وجود کا اعتراف کرتے ہیں، تاہم وہ اسے ایک ایسے سکیورٹی بیانیے کے تناظر میں پیش کرتے ہیں جو اسے بغاوت کا محض ایک ضمنی نتیجہ قرار دیتا ہے یہ بیانیہ اس خطرے کو جنم دیتا ہے کہ ایک ایسے فعل کو معمول بنا دیا جائے جو بین الاقوامی انسانی حقوق کے قانون کے مطابق انسانیت کے خلاف جرم ہے۔ رپورٹ میں ان الزامات کی آزادانہ تحقیقات کا مطالبہ بھی کیا گیا ہے جو اُن افراد کے خلاف ممکنہ انتقامی کارروائیوں سے متعلق ہیں جو جبری گمشدگیوں پر آواز بلند کرتے ہیں۔

مشن کا کہنا ہے کہ اگرچہ غیر بلوچ آبادکاروں سمیت عام شہریوں کو نشانہ بنانے والے عسکریت پسند حملے کسی طور بھی قابلِ جواز نہیں اور ان میں ملوث افراد کو قانون کے کٹہرے میں لایا جانا چاہیے، تاہم انسدادِ دہشت گردی (بلوچستان ترمیمی) ایکٹ 2025 کی منظوری انتہائی تشویش ناک ہے۔ یہ قانون 90 دن تک حراست کی اجازت دیتا ہے، وہ بھی مؤثر عدالتی نگرانی کے بغیر، جس سے تشدد اور بدسلوکی کے خدشات بڑھ جاتے ہیں۔ مشن نے حکومت سے مطالبہ کیا ہے کہ اس قانون کو واپس لیا جائے اور اس کے بجائے یہ یقینی بنایا جائے کہ انسدادِ دہشت گردی سے متعلق تمام اقدامات پاکستان کی انسانی حقوق کی ذمہ داریوں سے ہم آہنگ ہوں۔

رپورٹ کے مطابق انتخابی عمل میں دھاندلی اور قوم پرست جماعتوں کو سیاسی طور پر الگ تھلگ کرنے سے عوام کا جمہوری نظام پر اعتماد بری طرح مجروح ہوا ہے۔ مشن نے تجویز دی ہے کہ ریاست شفافیت، انصاف اور جوابدہی کو یقینی بنائے، دھاندلی کے معتبر الزامات کی تحقیقات کرے اور انتظامی ڈھانچوں کو غیر سیاسی بنائے تاکہ سیاسی بیگانگی مزید نہ بڑھے۔

مشن نے قانون نافذ کرنے والے سویلین اداروں کو عسکریت سے پاک کرنے اور ایک یکجا شہری پولیس فورس کے قیام کی سفارش کی ہے جس کے پاس مقامی کمیونٹی پر مبنی اور انسانی حقوق سے ہم آہنگ پولیسنگ کے لیے مناسب وسائل اور تربیت موجود ہو، تاکہ نیم فوجی اور فوجی اداروں پر ضرورت سے زیادہ انحصار ختم کیا جا سکے۔

رپورٹ میں سول سوسائٹی کی تحریکوں، جیسے کہ بلوچ یکجہتی کمیٹی، کو غیر معتبر بنانے کے عمل کی بھی نشاندہی کی گئی ہے اور کہا گیا ہے کہ انسانی حقوق کی ایڈووکیسی کو عسکریت پسندی سے جوڑنے سے خاص طور پر نوجوانوں میں بیگانگی کا احساس مزید بڑھ رہا ہے۔ ریاست کو چاہیے کہ وہ انسانی حقوق کے دفاع کاروں کے کردار کو کھلے عام تسلیم کرے اور ان کے تحفظ کی ضمانت دے۔

مشن نے حکومت سے مطالبہ کیا ہے کہ وہ 18ویں آئینی ترمیم کے تحت حاصل شدہ آئینی تحفظات بحال کرے اور قدرتی وسائل کے انتظام میں صوبائی خودمختاری کا احترام کرے۔ سینڈک جیسے متنازع منصوبوں اور بلوچستان مائنز اینڈ منرل ایکٹ میں حالیہ ترامیم پر نظرِ ثانی کی جائے تاکہ مقامی لوگوں کی مشاورت اور فوائد کی

فہرست

منصفانہ تقسیم کو یقینی بنایا جا سکے۔

اگر ریاست نے شفاف، جامع اور انسانی حقوق پر مبنی سیاسی حل فوری طور پر نہ اپنایا تو بلوچستان میں سیاسی اور سکیورٹی حالات مزید بگڑتے جائیں گے۔ مشن نے خبردار کیا ہے کہ صوبے سے باہر نسلی بنیادوں پر انتقامی کارروائیوں کا خطرہ حقیقی ہے اور یہ مزید بڑھ رہا ہے، جو قومی یکجہتی کے لیے نقصان دہ ہے۔ اس لیے، مشن نے مزید عسکریت کے بجائے اصولی قیادت کی ضرورت پر زور دیا ہے۔

[پریس ریلیز۔اسلام آباد 06 اگست 2025]

مذہبی اقلیتوں کو مساوی شہری تسلیم کیا جائے

پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق (ایچ آر سی پی) کے زیرِ اہتمام ایک سیمینار میں گزشتہ برس مذہبی اقلیتوں کے خلاف بڑھتے ہوئے تشدد پر تشویش کا اظہار کیا گیا۔ اس موقع پر ایچ آر سی پی کی رپورٹ ''خوف کی گلیاں: 2024/25 میں مذہب یا عقیدے کی آزادی'' بھی جاری کی گئی، جو پاکستان میں مذہبی آزادی اور اقلیتی حقوق کے لیے نہایت پریشان کن سال کی عکاسی کرتی ہے۔

رپورٹ میں مذہبی اقلیتوں پر تشدد کے بڑھتے ہوئے واقعات کی نشاندہی کی گئی ہے، جن میں احمدیوں کی ٹارگٹ کلنگ کے واقعات اور تحفظ شدہ عبادت گاہوں کی مسماری شامل ہیں۔ ایک ہولناک پیش رفت یہ بھی سامنے آئی کہ پولیس نے توہینِ مذہب کے دو ملزمان کو ماورائے عدالت قتل کر دیا جو توہینِ مذہب کے الزامات پر مشتعل ہجوم سے تحفظ مانگ رہے تھے۔ ایسے واقعات قانون نافذ کرنے والے اداروں اور نظام احتساب میں اصلاحات کی فوری ضرورت کی نشاندہی کرتے ہیں۔

رپورٹ میں جبری تبدیلی مذہب اور ہندو و مسیحی کم عمر بچیوں کی شادیوں کے جاری واقعات کی بھی نشاندہی کی گئی ہے، جو پنجاب اور سندھ میں بچپن کی شادی کی روک تھام کے قوانین پر عمل درآمد میں سنگین ناکامی کی عکاسی کرتے ہیں۔ اسی دوران، نفرت انگیز تقاریر میں اضافہ — جن میں سپریم کورٹ کے چیف جسٹس کو دھمکیاں دینے سے لے کر منتخب نمائندوں کی علانیہ تضحیک شامل ہے — ظاہر کرتا ہے کہ شہری آزادیوں کا دائرہ محدود ہو رہا ہے اور انتہا پسند عناصر مزید حوصلہ پا رہے ہیں۔

ایچ آر سی پی نے وکلا تنظیموں کے انتہا پسند مذہبی گروہوں کی جانب بڑھتے ہوئے جھکاؤ پر بھی تشویش ظاہر کی ہے — ایک ایسا رجحان جو وکالت کے شعبے کی خودمختاری کو کمزور کرتا ہے۔ رپورٹ میں ان الزامات کی بھی نشاندہی کی گئی ہے کہ سکیورٹی اداروں کی ملی بھگت سے سیکڑوں نوجوان لڑکوں اور لڑکیوں کو توہینِ مذہب کے مقدمات میں پھنسایا گیا اور ان سے بھتہ وصول کیا گیا۔

ان مسائل کے باوجود رپورٹ میں چند مثبت اقدامات کا بھی اعتراف کیا گیا ہے، جن میں کم عمری کی شادی کی ممانعت کا ایکٹ 2025 اور صوبائی سطح پر ایسے تحقیقی مراکز کا قیام شامل ہے جن کا مقصد پرتشدد انتہا پسندی پر قابو پانا ہے۔

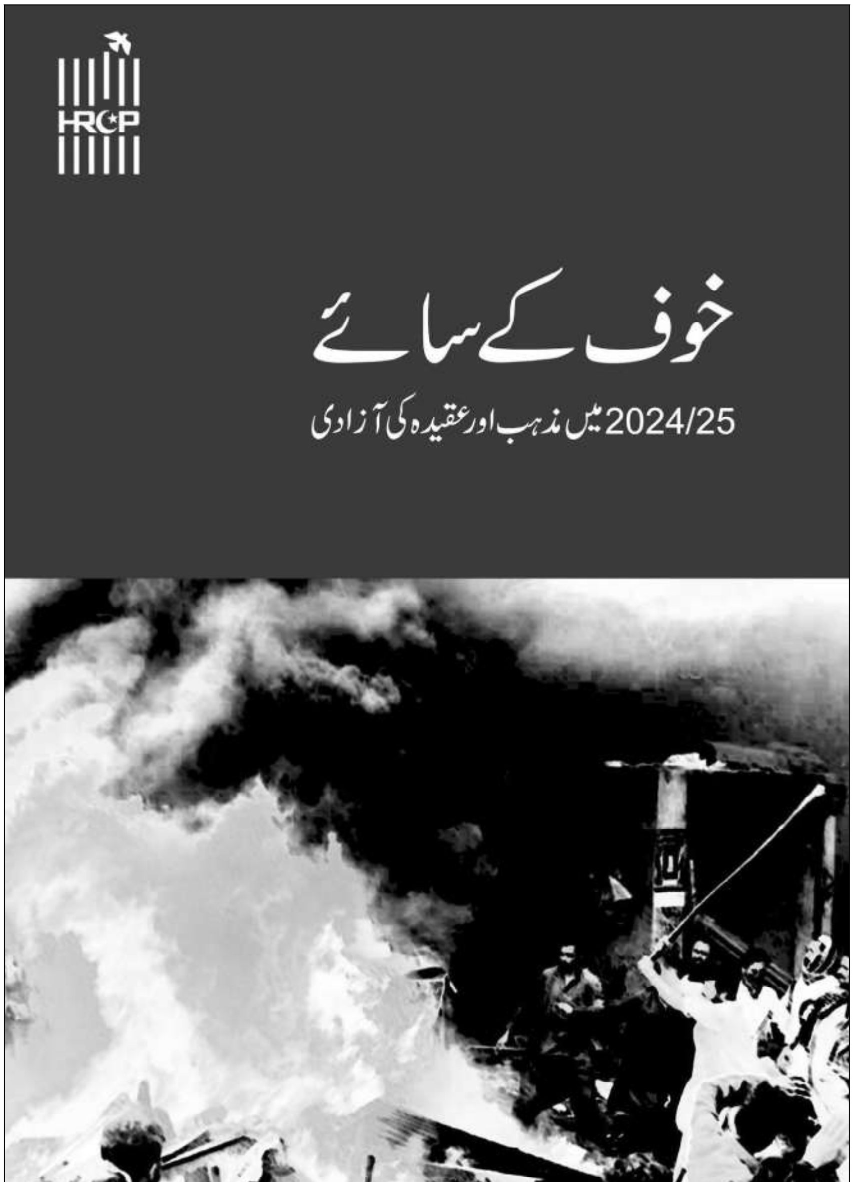
دیگر سفارشات میں، ایچ آر سی پی نے وفاقی حکومت پر زور دیا ہے کہ وہ قومی کمیشن برائے انسانی حقوق کی تحقیقات کی بنیاد پر ایک انکوائری کمیشن تشکیل دے تاکہ لوگوں کو توہینِ مذہب کے الزامات میں پھنسانے کے واقعات کی جانچ کی جا سکے۔ حکام کو ان مدارس پر بھی نظر رکھنی چاہیے جو اکثر کم عمر لڑکیوں کی تبدیلی مذہب کے واقعات میں ملوث پائے گئے ہیں۔

قانون نافذ کرنے والے اداروں کو بھی اس قابل بنایا جانا چاہیے کہ وہ لوگوں کو ہجوم کے تشدد سے بچا سکیں، اور اس کے لیے انہیں معلومات اکٹھا کرنے، ہجوم کو قابو میں رکھنے، فسادات کے ابتدائی اشاروں کو سمجھنے اور کمیونٹی پولیسنگ کی تربیت دی جائے۔ مزید برآں، ایسے افراد کے خلاف فوری کارروائی ہونی چاہیے جو ہجوم کو تشدد پر اکساتے ہیں۔ ایچ آر سی پی کی سابق رپورٹس کی سفارشات کے مطابق، حکومت کو اقلیتوں کے حقوق کے لیے ایک آزاد اور بااختیار قومی کمیشن قائم کرنا چاہیے، جس میں تمام مذہبی برادریوں کی مساوی نمائندگی یقینی بنائی جائے۔

[پریس ریلیز۔لاہور۔19 اگست 2025]

2024/25 میں مذہب یا عقیدے کی آزادی

خوف کی شاہراہیں



تعارف

ہر شخص کو فکر، ضمیر اور مذہب کی آزادی کا حق ہے . . . اپنے مذہب یا عقیدے کی تبلیغ، اس پر عمل، عبادت اور رسومات ادا کرنے کی آزادی ہے۔

آرٹیکل 18، انسانی حقوق کا عالمی اعلامیہ

پاکستان میں مذہبی اقلیتوں کو محرومیوں کے تسلسل کا سامنا ہے۔ مذہبی اکثریت کی طرف سے ان کے بنیادی آئینی حقوق، خاص طور پر آئین کے آرٹیکل 20 کے تحت مذہب یا عقیدے کے 'اظہار، عمل اور تبلیغ کے حق' کی خلاف ورزیوں نے اقلیتوں کو دیوار کے ساتھ لگا دیا ہے۔ ان کے اخراج اور مسلسل ظلم نے اقلیتوں کو مجبور کیا ہے کہ وہ تنگ و تاریک علاقوں میں رہنے کو ترجیح دیں جو بعض اوقات کچی آبادیوں سے ملتے جلتے ہیں۔ اس رپورٹ میں 1 جولائی 2024 سے 30 جون 2025 تک مذہب یا عقیدے کی آزادی (ایف او آر بی) سے متعلق خلاف ورزیاں کی قلم بند کی گئی ہیں، اور یہ پچھلی رپورٹس کی طرح ہمیں ایک تشویشناک تصویر دکھاتی ہے۔

اقلیتوں کے خلاف تشدد میں اضافہ ہوا ہے۔ احمدیوں کی متعدد ٹارگٹ کلنگ ہوئی ہیں۔ ایک مثال میں، پاکستان کے سب سے بڑے شہر کے ایک مصروف بازار کے وسط میں پولیس کی بھاری نفری سے تھوڑے سے فاصلے پر ایک شخص کو قتل کر دیا گیا۔ قانون نافذ کرنے والے اداروں نے عبادت گاہوں کو جزوی یا مکمل طور پر مسمار کر دیا ہے، حالانکہ ان میں سے کچھ کو ہائی کورٹ کے فیصلے کا تحفظ حاصل ہے۔ ملک بھر سے قبروں کی بے حرمتی کے متعدد واقعات رپورٹ ہوئے۔

سب سے زیادہ تشویشناک بات یہ ہے کہ توہین مذہب کے الزام میں دو افراد کو پولیس نے ماورائے عدالت قتل کر دیا جب کہ انہوں نے ایک مخالف ہجوم سے پولیس کی حفاظت طلب کی تھی جو انہیں تشدد کر کے قتل کرنے پر تلے ہوئے تھے۔ یہ ہمارے قانون نافذ کرنے والے اداروں کی ساکھ پر سوالیہ نشان ہے۔ دونوں مقتولین مسلمان تھے۔

مسیحی اور ہندو برادریوں کے کارکنوں نے پنجاب اور سندھ میں کمسن لڑکیوں کی جبری تبدیلی مذہب کے بارے میں بار بار خطرے کی گھنٹی بجائی ہے۔ اس رپورٹ میں ایسی متعدد مثالوں کا حوالہ دیا گیا ہے جہاں مبینہ طور پر اغوا کی گئی لڑکیوں کی عمریں 18 سال سے کم تھیں، جو شادی کے لیے وفاقی اور صوبائی سطح پر شادی کے لیے طے شدہ کم از کم عمر کی شرط کی واضح خلاف ورزی ہے۔ بعض واقعات میں، لڑکیوں کو اغوا کرنے اور پھر ان سے اسلام قبول کروانے کے بعد زبردستی شادی کرنے کا واضح نمونہ موجود ہے۔

2024/25 کی آخری سہ ماہی میں، ملک نے کئی نوجوانوں اور لڑکیوں کے والدین کی طرف سے دائر ایک رٹ پٹیشن کی براہ راست سماعت ملاحظہ کی جنہیں مبینہ طور پر جنسی تعلق کا جھانسہ دے کر توہین مذہب کے مقدمات میں پھنسایا گیا تھا۔ سماعتوں سے انکشاف ہوا کہ نوجوانوں کو مجرمانہ طور پر وفاقی تحقیقاتی ایجنسی (ایف آئی اے) کے اہلکاروں کی ملی بھگت سے پھنسایا گیا۔ ایک 'نجی تنظیم' کے ذریعے عدالتی کارروائیوں میں خلل ڈالنے کی متعدد کوششیں کی گئیں۔ الزام یہ تھا کہ پٹیشنرز غیر قانونی قانونی گرفتاریوں میں ملوث تھے۔

نفرت انگیز تقریریں عروج پر ہیں۔ عدالت عظمیٰ کے

چیف جسٹس کو جان سے مارنے کی دھمکیاں دی گئیں جب عدالت نے ایک احمدی کی ضمانت منظور کی۔ایک منتخب سینیٹر کی عوامی سطح پر توہین کی گئی، خاص طور پر دائیں بازو کے کچھ حامی سوشل میڈیا چینلز نے۔ جب انہوں نے مذہبی اقلیتوں کے دفاع میں بات کی تو ان کی حب الوطنی پر بھی سوالیہ نشان لگا۔ نفرت انگیز تبصروں کا کھلے عام اظہار پریشان کن تھا۔

اقوامِ متحدہ اور انسانی حقوق کی دیگر تنظیمیں پاکستان میں اقلیتوں کے ساتھ روا رکھے جانے والے سلوک پر مسلسل تحفظات کا اظہار کرتی رہی ہیں۔ان خدشات کا اظہار کرنے والوں میں مذہب یا عقیدے کی آزادی پر اقوام متحدہ کے خصوصی نمائندے بھی شامل تھے۔ پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق نے اپنی پریس ریلیز اور فیکٹ فائنڈنگ رپورٹس کے ذریعے سال بھر کے مسائل کو خاص طور پر اجاگر کیا ہے۔

رپورٹ میں دائیں بازو کی قوتوں کی طرف بار ایسوسی ایشنز کے جھکاؤ پر بھی تشویش کا اظہار کیا گیا ہے کیونکہ وہ بنیادی انسانی حقوق کے سنجیدہ معاملات پر کٹر مذہبی جماعتوں کے موقف کی حامی رہی ہیں۔

مثبت پیش رفت یہ ہوئی کہ وفاقی حکومت نے چائلڈ میرج ریسٹرینٹ ایکٹ 2025 منظور کیا ہے، جو مرد اور خواتین دونوں کے لیے شادی کی کم از کم عمر 18 سال مقرر کرتا ہے۔ایک اور پیشرفت میں، پنجاب، سندھ، اور بلوچستان نے پرتشدد انتہا پسندی کے انسداد کے لیے تحقیق پر مبنی بہترین مراکز قائم کرنے کے لیے قوانین منظور کرنے میں خیبر پختونخوا کے ساتھی بن گئے ہیں۔

سفارشات

☆ وفاقی حکومت کو پاکستان کمیشن آف انکوائری ایکٹ 2017 کے سیکشن 3 کے تحت پنجاب پولیس کی اسپیشل برانچ اور این سی ایچ آر کی نومبر 2024 کی رپورٹ کے نتائج پر مبنی ایک انکوائری کمیشن قائم کرنا چاہیے، جو وفاقی حکومت کو 'عوامی اہمیت کے کسی بھی سنجیدہ معاملے' کی تحقیقات کے لیے کمیشن آف انکوائری بنانے کا اختیار دیتا ہے۔

☆ بلوچستان، پنجاب اور خیبر پختونخوا کی صوبائی اسمبلیوں کو ایسے قوانین منظور کرنے کو ترجیح دینی چاہیے جو مرد اور عورت دونوں کے لیے شادی کی کم از کم عمر 18 سال مقرر کریں، پاکستان بھر میں شادی کی عمر میں یکسانیت کو یقینی بنائیں۔ اطلاعات کے مطابق یہ بل متعلقہ صوبائی اسمبلیوں میں نظر ثانی کے مختلف مراحل میں ہیں۔

☆ حکام کو ان مدارس کی نگرانی کرنی چاہیے جو کم عمر لڑکیوں کی تبدیلی مذہب میں اکثر ملوث ہوتے ہیں۔مزید یہ کہ مذہب کی تبدیلی عدالت میں یا کسی سرکاری اہلکار کی موجودگی میں کی جانی چاہیے۔

☆ پاکستان میں قانون نافذ کرنے والے اداروں کو لوگوں کو بلوائی تشدد سے بچانے کے لیے بہتر طریقے سے لیس کرنے کی ضرورت ہے۔اہم معلومات اکٹھی کرنے، ہجوم پر قابو پانے، فسادات کے ابتدائی اشاروں کو پڑھنے اور کمیونٹی پولیسنگ میں پولیس کی اہم تربیت ضروری ہے۔ مزید یہ کہ ہجوم کو اکسانے اور مجرمانہ کارروائیوں کی طرف لے جانے والوں کے خلاف فوری کارروائی کی جانی چاہیے۔

☆ اقلیتوں اور جو اکثریتی مذہب کے انتہائی دائیں بازو کے ورژن سے اتفاق نہیں رکھتے، ان کے خلاف نفرت کے بے لگام پھیلاؤ پر توجہ دی جانی چاہیے۔ریاست کو اس بات کو یقینی بنانا چاہیے کہ تشدد پر اکسانے والے تمام عناصر، خاص طور پر سوشل میڈیا پر، آئین پاکستان کے آرٹیکل 19 کے تحت محفوظ آزادی اظہارِ رائے کے حق کی خلاف ورزی کیے بغیر، قانونی نتائج کا سامنا کریں، جیسا کہ ہے۔

☆ پولیس کی جانب سے توہین مذہب کے الزام میں افراد کی ماورائے عدالت ہلاکتیں پاکستان کے قانون نافذ کرنے والے اداروں کی ساکھ اور کام کے بارے میں سنگین خدشات کو جنم دیتی ہیں۔محکمانہ محاسبے کا دائرہ بڑھا کر ان قوتوں کے اندر موجود بے ایمان عناصر کے خاتمے کے لیے ٹھوس اقدامات کیے جائیں۔

☆ پولیس اور ایف آئی اے کو انسانی حقوق، آئینی تحفظات اور بین الاقوامی قانون کے تحت پاکستان کی ذمہ داریوں کی جامع تربیت حاصل کرنی چاہیے۔اس میں ایف او آر بی پر خاص توجہ شامل ہونی چاہیے، جس میں مذہبی اقلیتوں کے خلاف من مانی گرفتاریوں، ایذا رسانی، اور امتیازی سلوک کی ممانعت اور نفرت انگیز تقریر، جبری تبدیلی مذہب اور عبادت گاہوں پر حملوں کی شکایات سے نمٹنے کے لیے مناسب طریقہ کار شامل ہونا چاہیے۔

☆ عدالت کے واضح احکامات اور قانونی عمل کے بغیر کسی عبادت گاہ کو منہدم نہیں کیا جانا چاہیے۔عبادت گاہ کی بے حرمتی کی کوشش کرنے والوں کو پکڑ کر قانون کے مطابق کارروائی کی جائے۔

☆ قانون نافذ کرنے والے اداروں کو یہ اختیار نہیں ہونا چاہیے کہ وہ کسی شخص کو کلمہ یا مقدس آیات کی تلاوت کروا کے اس کے ایمان کی تصدیق کریں۔ نادرا کے ڈیٹا بیس میں درج کسی شخص کے عقیدے کے بارے میں معلومات کافی ہونی چاہئیں۔

☆ صوبائی سی وی ای قوانین میں جن سینٹرز آف ایکسی لینس کا تصور کیا گیا ہے انہیں جلد از جلد فعال بنانا چاہیے۔

☆ بین المذاہب کمیٹیوں کو مزید موثر بنایا جانا چاہیے اور وہ پورا سال فعال رہیں، نہ کہ صرف مذہبی تقریبات کے دوران۔ ان کمیٹیوں کی مختلف مذہبی برادریوں والے علاقوں میں واضح موجودگی ہونی چاہیے۔

☆ قانون نافذ کرنے والے اداروں کو اس بات کو یقینی بنانا چاہیے کہ عبادت گاہوں کے لاؤڈ سپیکر نفرت انگیز تقاریر کے لیے استعمال نہ ہوں۔

☆ بار ایسوسی ایشنز اور مذہبی گروپوں کو کسی مخصوص فرقے یا اقلیت کے خلاف کارروائی کے لیے پولیس پر دباؤ ڈالنے کی اجازت نہیں ہونی چاہیے۔

☆ عدالتی اور سرکاری حکام کو 2014 کے عدالتِ عظمیٰ کے فیصلے اور مذہبی آزادیوں سے متعلق عدالتِ عظمیٰ کی دیگر متعلقہ نظیروں کو نافذ کرنا چاہیے۔

☆ حکام کو چاہیے کہ وہ تمام اقلیتی عبادت گاہوں کی حفاظت کو یقینی بنائے اور کراچی میں 29 احمدیوں کی عبادت گاہوں کو فوری طور پر دوبارہ کھولیں، ان متعدد دیگر مقامات کے ساتھ جو امن عامہ کے لیے مبینہ خطرے کی وجہ سے بند کیے گئے ہیں۔

☆ پی پی سی کی شق 295 سی کے تحت توہین رسالت کے الزام کی سنگینی کی وجہ سے تحقیقات اعلیٰ سطح کے اہلکاروں کو کرنی چاہئیں۔

☆ جیسا کہ ایف او آر بی کی پچھلی رپورٹ میں تجویز کیا گیا تھا، حکومت کو تمام مذہبی برادریوں کے لیے مساوی نمائندگی کو یقینی بناتے ہوئے اقلیتوں کے حقوق کے لیے وقف ایک آزاد قانونی قومی کمیشن قائم کرنا چاہیے۔

☆ عوام کو سزائے موت سے متعلق حساس قوانین، سزائے موت اور خاص طور پر ڈیجیٹل دور میں میں جال میں پھنسانے کے تصور کے بارے میں آگاہ کرنے کے لیے عوامی بیداری مہم شروع کی جائے۔مزید برآں، عوام کو آئے روز تبدیل ہوتے سائبر قوانین کے بارے میں باخبر رکھا جائے۔

☆ مرکزی دھارے کے ذرائع ابلاغ کو معاشرے کے تمام طبقات بشمول پسماندہ گروہوں کے لیے اپنی ذمہ داری کو تسلیم کرنا چاہیے۔انہیں ایسے مسائل کو اجاگر کرنا چاہیے جو ملک میں مذہبی اقلیتوں کو نمایاں طور پر متاثر کرتے ہیں۔

☆ اسکولوں کے نصاب کا، خاص طور پر ابتدائی سطح پر، اس بات کا جائزہ لیا جانا چاہیے کہ وہ نوجوانوں کے ذہنوں میں مذہبی تعصب کا بیج نہ بوئیں۔

(ایچ آر سی پی کی رپورٹ، "25/2024" میں مذہب یا عقیدے کی آزادی: (خوف کی شاہراہیں '' سے اقتباسات)

آرٹیکل 9-اے کا وعدہ

آئینی حقوق اور ماحولیاتی نظم و نسق کے درمیان ربط

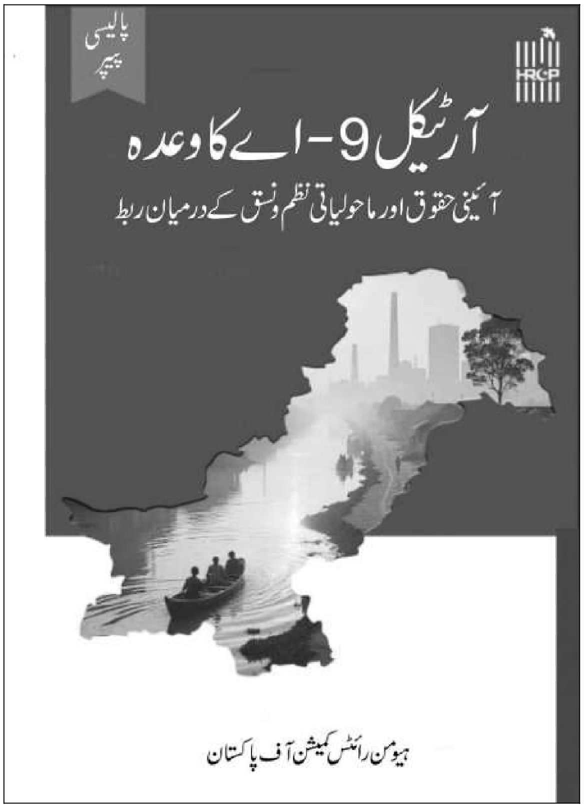
تعارف

پاکستان کے آئین میں کی جانے والی 26ویں آئینی ترمیم ابتدا ہی سے تنازع کا شکار رہی ہے۔ انسانی حقوق کی تنظیموں اور بار ایسوسی ایشنز نے اس ترمیم کی منظوری کے طریق کار اور اس کے عدلیہ کی آزادی پر اثرات کے حوالے سے سنگین سوالات اٹھائے ہیں۔ تاہم، شراکت داروں کے ان جائز خدشات کی گہما گہمی میں آئین کے تحت دیے گئے بنیادی حقوق میں ایک نہایت اہم اضافہ عوامی مباحثے میں زیادہ تر نظرانداز کر دیا گیا ہے۔ یہ اضافہ آئین میں آرٹیکل 9-اے کے ذریعے کیا گیا، جس میں کہا گیا ہے: "ہر شخص کو صاف، صحت مند اور پائیدار ماحول کا حق حاصل ہوگا۔"

پاکستان کا شمار ان ممالک میں ہوتا ہے جو ماحولیاتی تبدیلی کے اثرات سے سب سے زیادہ متاثر ہیں۔ اس کی کئی وجوہات ہیں، جن میں جغرافیائی محلِ وقوع، موسمیاتی اثرات سے منسلک شعبوں پر انحصار، سماجی و معاشی حالات، اور ماحولیاتی آفات سے نمٹنے کے لیے درکار مؤثر اقدامات کا فقدان شامل ہیں۔ ملک کے شمالی پہاڑی علاقوں میں گلیشیائی جھیلوں کے اچانک پھٹنے، دریائی طغیانی اور شہری سیلاب کے باعث فلیش فلڈز عام ہو چکے ہیں۔ ساحلی طوفان اور سمندری لہریں بھی وقفے وقفے سے خطرات پیدا کرتی ہیں۔ دوسری طرف خشک اور نیم خشک علاقوں میں پاکستان کو اکثر قلیل مدتی اور طویل مدتی قحط سالی کا سامنا رہتا ہے، جس کی وجہ سے یہ دنیا کے ان ممالک میں شامل ہے جو پانی کی شدید کمی کا شکار ہیں۔ بڑھتے ہوئے عالمی درجہ حرارت نے ہیٹ ویوز کو معمول بنا دیا ہے۔ اسی دوران بڑے شہروں میں فضائی آلودگی نے لاہور، پشاور، فیصل آباد اور کراچی کو دنیا کے آلودہ ترین شہروں کی فہرست میں شامل کر دیا ہے۔ ماحولیاتی خطرات اور موسمیاتی تباہ کاریوں کے باوجود زمین کی زرخیزی میں کمی اور حیاتیاتی تنوع کے خاتمے جیسے مسائل عموماً نظر انداز ہوتے رہے ہیں۔

اسی تناظر میں اقوام متحدہ کے ہیبٹاٹ پاکستان کنٹری رپورٹ 2023 نے پاکستان کو موسمیاتی تبدیلی سے متاثر ہونے والا پانچواں سب سے زیادہ کمزور ملک قرار دیا ہے۔ جرمن واچ کلائمیٹ رسک انڈیکس نے 2022 کے تباہ کن سیلابوں کے باعث پاکستان کو دنیا بھر میں موسمیاتی تبدیلی سے سب سے زیادہ متاثر ملک قرار دیا۔ جرمن واچ کے کلائمیٹ رسک انڈیکس (سی آر آئی) میں پاکستان 2000 سے 2019 تک مستقل طور پر دس سب سے زیادہ متاثرہ ممالک میں شامل رہا، اور عمومی طور پر آٹھویں نمبر پر آتا رہا۔ تاہم، سی آر آئی 2025 کی رپورٹ میں، جو 2022 کے تازہ ترین اعداد و شمار پر مبنی ہے، پاکستان کو انسانی اور معاشی نقصانات کے پیمانوں پر دنیا بھر میں پہلے نمبر پر رکھا گیا۔ پاکستان کو درپیش موسمیاتی بحران اور اس کے تدارک کے لیے کیے جانے والے اقدامات یہ نہیں بتاتے کہ مستقبل قریب میں یہ صورتحال نمایاں طور پر تبدیل ہو جائے گی۔

عالمی بینک کے مطابق شدید موسمی واقعات، ماحولیاتی انحطاط اور فضائی آلودگی کے مشترکہ اثرات سے 2050 تک پاکستان کے جی ڈی پی میں کم از کم 18 سے 20 فیصد کمی واقع ہو سکتی ہے۔ زراعت اور مویشیوں کی پیداوار میں کمی، سیلاب اور گرمی کی لہر کی وجہ سے بنیادی ڈھانچے کی تباہی اس نقصان کی بڑی وجوہات ہوں گی۔ یہ تمام اعداد و شمار اور درجہ بندیاں پاکستان کی موسمیاتی تبدیلی کے حوالے سے غیر معمولی کمزوری کو واضح کرتے ہیں اور اس بات کی نشاندہی کرتے ہیں کہ تدارکی اور موافقتی اقدامات میں تاخیر کی کوئی گنجائش نہیں۔



یہ مقالہ پاکستان میں ماحولیاتی حقوق کی تاریخی حیثیت، گزشتہ تین دہائیوں کے دوران قانون سازی اور پالیسی اقدامات، عدلیہ کے کردار اور مستقبل کے وہ راستے زیرِ بحث لاتا ہے جن کے ذریعے آرٹیکل 9-اے کے اضافے کو بامقصد، مؤثر اور قابلِ عمل بنایا جاسکتا ہے۔

سفارشات

صاف، صحت مند اور پائیدار ماحول کو بنیادی آئینی حق تسلیم کرنا ایک نہایت اہم قدم ہے، مگر یہ صرف پہلا قدم ہے۔ فوری طور پر قوانین، پالیسی اور عدالتی رویے میں تبدیلیاں ضروری ہیں تاکہ اس حق کا حقیقی معنوں میں تحفظ ممکن بنایا جا سکے۔ ذیل میں چند سفارشات دی جا رہی ہیں:

- ماحولیات، جنگلات، آبی گزرگاہوں، شہری منصوبہ بندی، کچرے کا انتظام، جنگلی حیات، ماہی پروری وغیرہ سے متعلق موجودہ قوانین کو آرٹیکل 9-اے کے تناظر میں فوری طور پر اپ ڈیٹ کرنے کی ضرورت ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ نئی قانون سازی بھی درکار ہے تاکہ وہ پہلو جو نظرانداز رہے ہیں، ان کا احاطہ کیا جا سکے۔
- صوبائی ماحولیاتی تحفظ ایجنسیوں کو مکمل خودمختار اور دیگر ریاستی اداروں سے آزاد بنایا جائے تاکہ وہ اپنے فرائض مؤثر طریقے سے انجام دے سکیں۔ مقامی سطح پر نفاذ کو مرکزی حیثیت دینا ضروری ہے۔
- پالیسی کی سطح پر پائیداری کو ہر سرکاری منصوبے اور اقدام کا بنیادی جزو بنایا جائے۔ کوئی بھی منصوبہ یا تجویز اس وقت تک نافذ نہ ہو جب تک کہ وہ صاف اور پائیدار ماحول کے حق کو یقینی نہ بنائے۔
- وفاقی سطح پر ایک مرکزی رابطہ کار ادارہ تشکیل دیا جائے جو اس حق کے نفاذ کو یقینی بنائے۔ موجودہ کلائمیٹ چینج کونسل، جو کلائمیٹ چینج ایکٹ 2017 کے تحت قائم ہے، آئینی پیچیدگیوں کا شکار ہے کیونکہ ماحولیات اور موسمیاتی تبدیلی وفاقی قانون سازی کی فہرست میں شامل نہیں۔
- آئینی عدالتیں عالمی اصولوں جیسے کہ "احتیاطی اصول" "آلودگی کرنے والا ادا کرے" (Polluter pays)، ماحولیاتی انصاف، موسمیاتی انصاف اور مساوات کو آرٹیکل 9-اے کی تشریحات کے بنیادی ذرائع کے طور پر استعمال کریں۔
- متعلقہ ایگزیکٹو اداروں کو موجودہ ماحولیاتی حالات اور سرکاری اقدامات کے ممکنہ نتائج کے بارے میں شفافیت اور آگاہی فراہم کرنا لازم قرار دیا جائے۔ عوامی شمولیت کو بنیادی اہمیت دی جائے۔
- ماحولیاتی قوانین کے نفاذ کو یقینی بنانے کے لیے اداروں کو حکومتی اثر و رسوخ سے آزاد اور مکمل طور پر خودمختار بنایا جائے، جس کے لیے ان کی صلاحیت سازی میں سرمایہ کاری ضروری ہے۔
- مؤثر شکایتی فورمز اور ٹریبونلز قائم کیے جائیں، جو موجودہ ماحولیاتی ٹریبونلز سے زیادہ وسیع اختیارات رکھتے ہوں، تاکہ متاثرہ افراد کو انصاف اور مؤثر تلافی فراہم کیا جا سکے۔

بلوچستان: اعتماد کا بحران

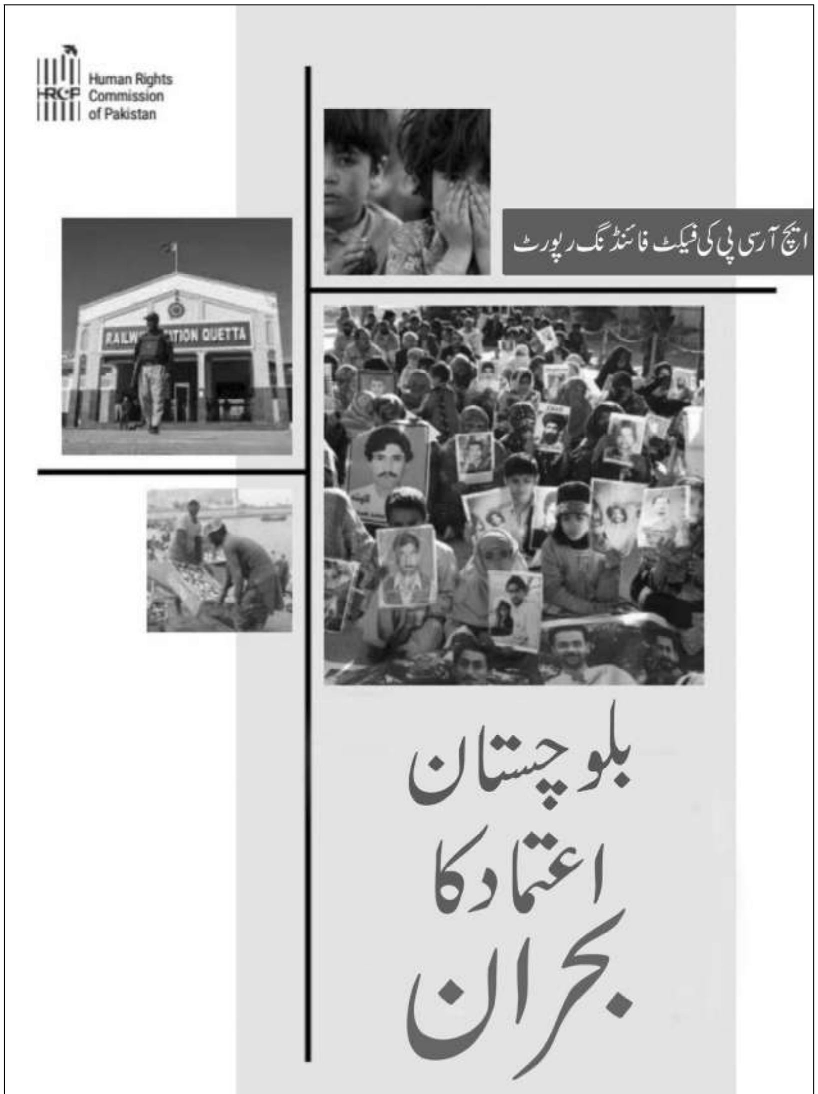
ایچ آر سی پی کی فیکٹ فائنڈنگ رپورٹ

یہ رپورٹ بلوچستان کے بارے میں پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق (ایچ آر سی پی) کے فیکٹ فائنڈنگ مشن کے مشاہدات اور سفارشات پر مبنی ہے۔ یہ مشن صوبے میں بنیادی حقوق اور شہری آزادیوں کی بگڑتی ہوئی صورتحال پر بڑھتے ہوئے خدشات کے حوالے سے تشکیل دیا گیا تھا۔

یہ مشن 9 سے 12 جولائی 2025 کے دوران منعقد ہوا اور سیکیورٹی خدشات کے باعث صرف کوئٹہ تک محدود رہا۔ ٹیم میں ایچ آر سی پی کے چیئرمین اسد اقبال بٹ، شریک چیئرپرسن منیزے جہانگیر، بلوچستان کے وائس چیئر کاشف پانیزئی، کونسل ممبران حبیب طاہر اور سعدیہ بلوچ، اسٹاف ممبران ماہین پراچہ اور فرید شاہوانی، اور سینئر صحافی عارفہ نور شامل تھے۔

مشن مختلف جواب دہندگان بشمول چھ سیاسی جماعتوں، بلوچستان یونیورسٹی کے ماہرین تعلیم، بلوچستان اسٹوڈنٹس آرگنائزیشن (بی ایس او) کے نمائندوں، ہائی کورٹ بار ایسوسی ایشن کے اراکین، بلوچ یکجہتی کمیٹی (بی وائی سی) کے کارکنان، اور سول سوسائٹی کے نمائندوں جیسے کہ مزدور یونینز، خواتین کے حقوق کی کارکنوں اور صحافیوں کا شکر گزار ہے۔ مشن اس بات کو بھی قدر کی نگاہ سے دیکھتا ہے کہ اسے صوبے کے گورنر اور وزیر اعلیٰ کے علاوہ اعلیٰ سول افسران، سول سیکریٹریٹ، پولیس اور جیل خانہ جات کے حکام سے ملاقات کا موقع ملا۔

2005 سے اب تک، بلوچستان میں یہ کم از کم آٹھواں فیکٹ فائنڈنگ مشن ہے۔ پچھلے 20 برسوں کے دوران کئی سفارشات بار بار پیش کی گئی ہیں، لیکن ان پر خاطر خواہ پیش رفت نہیں ہوئی۔ ایچ آر سی پی ریاست پر زور دیتا ہے کہ اس صورتحال کو سنجیدگی سے لیا جائے۔



تعارف

اس رپورٹ میں بلوچستان کے حوالے سے پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق کے مشن کے مشاہدات اور سفارشات شامل ہیں۔ مشن کے ضوابط کار درج ذیل تھے:

1۔ صوبے میں بنیادی آزادیوں بشمول اظہارِ رائے، اجتماع، انجمن سازی اور نقل و حرکت کی آزادی کی صورتحال کا جائزہ لینا، خاص طور پر ان قانونی اور پالیسی اقدامات پر توجہ مرکوز کرنا جو شہری دائرہ کار کو متاثر کر رہے ہیں۔

2۔ میڈیا پر سنسر شپ اور صحافیوں کو درپیش خطرات جیسے کہ تشدد، دھمکیاں اور خبروں کی کوریج پر پابندیوں کی نوعیت اور اثرات کو دستاویزی شکل دینا۔

3۔ جبری گمشدگیوں، ماورائے عدالت قتل اور بلا جواز گرفتاریوں کے واقعات کا جائزہ لینا، بالخصوص کارکنوں، طلبہ اور بلوچ یکجہتی کمیٹی کے اراکین کے حوالے سے۔

4۔ حقوق پر مبنی تحریکوں اور پُرامن احتجاج پر کریک ڈاؤن، نیز پرامن کارکنوں اور مظاہرین کے خلاف انسداد دہشت گردی اور امتناعی حراست کے قوانین کے استعمال کا جائزہ لینا۔

5۔ انٹرنیٹ بندش، جماعتوں کی بندش اور شہری زندگی و معلومات تک رسائی پر دیگر قدغنوں کے اثرات کا جائزہ لینا۔

6۔ مسلح تنازعات اور عسکریت پسندی کے عام شہریوں کی زندگی پر اثرات کا تجزیہ کرنا، خاص طور پر تعلیم، سول سوسائٹی (بشمول غیر بلوچ آبادکاروں) اور انسانی حقوق کے دفاع کاروں کے تحفظ کے تناظر میں۔

وسعت، سزا سے استثنا اور عوامی عدم اعتماد: جبری گمشدگیوں کا بحران

بلوچستان میں فیکٹ فائنڈنگ مشن کے دوران جبری گمشدگیاں سب سے زیادہ فوری اور وسیع پیمانے پر پائی جانے والی انسانی حقوق کی خلاف ورزی کے طور پر سامنے آئیں۔ سیاسی رہنماؤں، سول سوسائٹی کے نمائندوں اور قانون نافذ کرنے والے اداروں سے حاصل ہونے والی شہادتیں اس امر کی تصدیق کرتی ہیں کہ یہ رجحان اپنی وسعت، سزا سے استثنا اور بدلتی

ہوئی نوعیت کے باعث نہ صرف سنگین ہے بلکہ ایک منظم شکل اختیار کر چکا ہے۔ اس کے نتیجے میں قانون کی حکمرانی کو شدید نقصان پہنچا ہے اور عوام کا ریاستی اداروں پر اعتماد کم ہوا ہے۔

ایک اہم نکتہ یہ سامنے آیا کہ جبری گمشدگیوں کا طریقہ کار لمبے عرصے تک نامعلوم مقام پر رکھنے سے ایک نئے انداز، یعنی "پکڑو اور مارو" میں تبدیل ہو رہا ہے۔ سابق وزیر اعلیٰ اور نیشنل پارٹی کے رہنما ڈاکٹر عبدالمالک بلوچ نے وضاحت کی کہ لوگوں کو اکثر وارنٹ یا قانونی تقاضے پورے کیے بغیر گرفتار کیا جاتا ہے، کئی ماہ تک حراست میں رکھا جاتا ہے اور پھر ماورائے عدالت قتل کر دیا جاتا ہے۔ بلوچستان نیشنل پارٹی (مینگل) کے سربراہ سردار اختر مینگل نے بھی اس رجحان کی تصدیق کی اور کہا کہ اب لاپتہ افراد کی لاشیں اکثر چند دنوں کے اندر ہی برآمد ہو جاتی ہیں۔ کئی سیاسی جماعتوں نے ایسے افراد کی فہرستیں مشن کو فراہم کیں جن کے بارے میں ان کا کہنا تھا کہ انہیں جبراً غائب کیا گیا، تاہم یہ فہرستیں آزادانہ طور پر تصدیق شدہ نہیں ہیں۔

جبری گمشدگیوں کے سرکاری اعداد و شمار

سینئر پولیس حکام کی جانب سے فراہم کردہ اعداد و شمار اس سرگرمی کی موجودگی کی نشاندہی کرتے ہیں۔ 356 رپورٹ شدہ کیسز میں سے 116 افراد کا سراغ لگایا گیا، 36 کیسز کو نامکمل معلومات کی بنا پر خارج کیا گیا، 12 افراد پولیس مقابلوں میں مارے گئے، اور 192 کیسز اب بھی حل طلب ہیں۔ صرف 2025 میں ہی بلوچستان پولیس نے جبری گمشدگی کے 46 نئے مقدمات درج کیے۔ مزید یہ کہ سردار اختر مینگل کے مطابق 5,000 رپورٹ شدہ کیسز میں سے تقریباً 1,300 افراد بازیاب ہوئے، اگرچہ حکام کا کہنا تھا کہ باقی کیسز کی تفصیلات کی تصدیق ممکن نہیں۔ تاہم یہ اعداد و شمار صرف پولیس کے دائرہ اختیار، جو صوبے کے پانچویں سے بھی کم حصے پر محیط ہے، تک محدود ہیں، لہٰذا ریکارڈ کو مکمل نہیں سمجھا جا سکتا۔

سول سوسائٹی کا مؤقف

لاپتہ افراد کے خاندانوں اور دوستوں کی کئی شہادتوں نے یہ واضح کیا کہ متاثرین کو اب بھی ہراساں کیے جانے، دھمکیوں اور انصاف سے محرومی کا سامنا ہے، خاص طور پر جب وہ کیس رپورٹ کرنے یا عوامی سطح پر آواز بلند کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ متعدد واقعات میں اہل خانہ نے بتایا کہ ان کا پیچھا کیا گیا، نگرانی کی گئی اور بعض کو حراست میں لیا گیا یا ان کے پیشہ ورانہ حقوق سلب کیے گئے۔

ایک خاتون نے دعویٰ کیا کہ انہیں محض اس لیے وکالت کا لائسنس دینے سے انکار کیا گیا کیونکہ وہ ایک لاپتہ شخص کی بہن ہیں۔ ایک اور خاتون، جو بی وائے سی کی رکن تھیں، نے الزام لگایا کہ ان کی ساتھی کو نامعلوم افراد ـــ جن پر انہیں شک تھا کہ وہ سیکیورٹی اداروں سے تعلق رکھتے ہیں ـــ پولیو ورکرز کا روپ دھار کر ان کے گھر سے اغوا کر کے لے گئے (دیکھیں باکس 1)۔ بی ایس او (پجار) کے ایک نمائندے نے بھی ماہ جبین بلوچ کا کیس مشن کے سامنے رکھا جو بلوچستان یونیورسٹی کی معذور طالبہ تھی اور مئی 2025 میں مبینہ طور پر لاپتہ ہوئی، جس کا تا حال کوئی سراغ نہیں ملا۔

15" سے 20 افراد پولیو ورکرز کا بھیس بدل کر میری دوست گلزادی کے گھر آئے۔ انہوں نے اسے گھسیٹ کر باہر نکالا، باوجود اس کے کہ ہم احتجاج کر رہے تھے کہ کم از کم اسے دوپٹہ اوڑھنے دیا جائے۔"

ـــ بی وائی سی کارکن، کوئٹہ

مشن نے بی وائی سی کے اراکین اور جبری گمشدگیوں و ماورائے عدالت قتل سے متاثرہ خاندانوں سے ملاقات کی۔ شہادتوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ بڑے پیمانے پر اور منظم خلاف ورزیاں ہو رہی ہیں، جن میں اغوا، حراستی اموات، رہائی کے بعد قتل، خاندانوں کو ہراساں کرنا اور اجتماعی سزا شامل ہیں۔

بی وائے سی نے الزام لگایا کہ جولائی 2024 میں گوادر میں منعقد ہونے والے "راجی مچی" قومی اجتماع کے بعد جبری گمشدگیوں میں نمایاں اضافہ ہوا۔ بی وائے سی کی جانب سے ریکارڈ کیے گئے 752 کیسز میں سے 181 افراد بعد میں رہا ہوئے، 25 کی حراست میں موت کی تصدیق ہوئی، جبکہ 546 تا حال لاپتا ہیں۔ اگرچہ مشن ان اعداد و شمار کی آزادانہ طور پر تصدیق نہیں کر سکا، لیکن شواہد اس بات کی نشاندہی کرتے ہیں کہ گزشتہ 12 مہینوں میں جبری گمشدگیوں میں اضافہ ہوا ہے۔

وائس فار بلوچ مسنگ پرسنز کے نمائندوں نے بھی کئی ایسے کیسز مشن کے ساتھ شیئر کیے جو تا حال حل طلب ہیں، ان میں ایک شخص کا کیس شامل ہے جس کا بیٹا جون 2025 میں مستونگ سے مبینہ طور پر لاپتہ ہوا تھا۔ بعد ازاں، اس کی لاش کوئٹہ کے سول اسپتال میں لائی گئی۔ خاندان کو کہا گیا کہ ضابطے مکمل ہونے کے بعد لاش حوالے کر دی جائے گی، لیکن تیسرے دن انہیں بتایا گیا کہ لاش ایدھی سینٹر کے حوالے کر کے دفنا دی گئی ہے۔

بی وائے سی کے رہنماؤں نے بارہا "اجتماعی سزا" کے استعمال کا الزام لگایا، مثلاً صبیحہ بلوچ اور بیبو بلوچ کے والدین کو ان کی بیٹیوں کی سرگرمیوں کے باعث بلا جواز حراست میں لیا گیا۔ کئی متاثرین نے دعویٰ کیا کہ انہیں قتل کی دھمکیاں دی گئیں، ان کے گھروں پر چھاپے مارے گئے اور ان پر "جھوٹے" مقدمات قائم کیے گئے۔ عدالتوں کی مداخلت اور کمیشن سے رجوع کرنے کے باوجود کوئی نتیجہ برآمد نہ ہوا، بلکہ خاندانوں سے کہا گیا کہ یہ "ان کا ذاتی معاملہ" ہے۔

ریاستی نمائندوں نے بلوچ یکجہتی کمیٹی (بی وائی سی) کی قید رہنما ڈاکٹر ماہ رنگ بلوچ کے بارے میں مسلسل منفی بیانیہ پیش کیا۔ ان پر بغاوت سے خاندانی روابط رکھنے کے الزامات لگائے گئے، قومی خودمختاری پر ان کے عوامی مؤقف کو مشکوک قرار دیا گیا اور ان کی آمدن کے ذرائع پر سوالات اٹھائے گئے۔ کچھ ریاستی نمائندوں نے بی وائی سی کو ایک "غیر رجسٹرڈ" تنظیم قرار دیا اور دعویٰ کیا کہ اس نے "مسئلہ پیدا کرنے والے" علامتی اقدامات کیے ہیں، جیسے پرچم جلانا۔ ان کے مطابق ریاست کی جانب سے ایسے اقدامات برداشت کرنا "غیر معمولی برداشت" ہے، کیونکہ پرچم جلانے کے خلاف قانون سختی سے نافذ ہے۔ ایک اور ریاستی عہدیدار نے الزام لگایا کہ بی وائی سی کی قیادت ریاست کے "قانونی حق" کو تسلیم نہیں کرتی کہ وہ اجتماعات پر پابندی لگا سکے اور اس کے بجائے اپنی سہولت کے مطابق احتجاج منظم کرتی ہے۔

جبری گمشدگیوں پر ریاست کا نقطہ نظر

جب اس معاملے پر سوال کیا گیا تو وزیر اعلیٰ بلوچستان سرفراز بگٹی نے تسلیم کیا کہ جبری گمشدگیاں ایک تشویش ناک مسئلہ ہے، تاہم انہوں نے اسے "پیچیدہ" اور "متنازع" قرار دے کر معاملے کو نئے تناظر میں پیش کرنے کی کوشش کی۔ انہوں نے دعویٰ کیا کہ اگرچہ وہ "جبری گمشدگی کا ایک بھی واقعہ" برداشت نہیں کرتے، لیکن بعض کیسز "خود ساختہ گمشدگی" کے زمرے میں آ سکتے ہیں ـــ اگرچہ انہوں نے اس اصطلاح کی واضح وضاحت نہیں کی۔ مزید برآں، ان کا کہنا تھا کہ بلوچ لبریشن آرمی جیسے عسکریت پسند گروہ بھی اغوا کے ذمہ دار ہیں، تاہم مشن اس دعوے کی آزادانہ تصدیق نہ کر سکا۔

گورنر شیخ جعفر خان مندوخیل نے زیادہ محتاط رائے پیش کی۔ ان کے بقول "جب بغاوتیں ہوتی ہیں تو گمشدگیاں بھی ہوتی ہیں"۔ یوں انہوں نے ان واقعات کو بنیادی حقوق کی خلاف ورزی کے بجائے تنازع کا "فطری نتیجہ" قرار دیا۔ اگرچہ انہوں نے احتساب کی ضرورت کو تسلیم کیا، لیکن ساتھ ہی حکومت کی جانب سے ان اقدامات کو قانونی تحفظ دینے کی حمایت بھی کی، جس کا مظہر حال ہی میں منظور ہونے والا انسداد دہشت گردی (بلوچستان ترمیمی) ایکٹ 2025 ہے۔

نوٹ: مشن نے مارچ 2025 سے قید بی وائی سی رہنماؤں سے ملاقات کی اجازت مانگی تھی، تاہم قانون نافذ کرنے والے اور جیل حکام نے کہا کہ صرف قریبی رشتہ داروں کو ملاقات کی اجازت ہے۔

حراستی مراکز کا ممکنہ جواز؟

انسداد دہشت گردی (بلوچستان ترمیمی) ایکٹ 2025، جو جون 2025 میں منظور ہوا، کے تحت مشتبہ افراد کو (بشمول مسلح افواج اور سیکیورٹی اداروں کی جانب سے) بغیر وارنٹ یا الزام

کے 90 دن تک محض '''معقول شک '' یا '''قابلِ بھروسہ معلومات'' کی بنیاد پر حراست میں رکھا جا سکتا ہے۔ تفتیش پولیس کے زیرِ انتظام قائم خصوصی حراستی مراکز میں ہوگی جبکہ بیرونی سیکیورٹی فرنٹیئر کور فراہم کرے گی۔ ایسے افراد جنہیں "انتہائی خطرناک دہشت گرد" قرار دیا گیا ہو، انہیں مقدمہ چلائے بغیر تین ماہ تک حراست میں رکھا جا سکتا ہے۔

متعدد ریاستی نمائندوں نے اس قانون کا دفاع کرتے ہوئے کہا کہ یہ ضرورت کے تحت بنایا گیا۔ وزیرِ اعلیٰ سرفراز بگٹی نے کہا کہ مباحثے میں توازن کا فقدان ہے: جہاں تحریک طالبان پاکستان (ٹی ٹی پی) کو ہمیشہ انسدادِ دہشت گردی کے تناظر میں دیکھا جاتا ہے، وہاں بلوچ علیحدگی پسند گروہوں کو "انسانی حقوق" کے فریم ورک میں پیش کیا جاتا ہے۔ انہوں نے متعدد واقعات، مثلاً 2012 میں پروفیسر ناظمہ طالب کا قتل اور 2024 میں گوادر میں سات پنجابی حجاموں کا قتل، بطور مثال پیش کیے تاکہ وہ یہ واضح کر سکیں کہ علیحدگی پسند تشدد کے متاثرین کے لیے عوامی ہمدردی ناکافی ہے۔ اس پس منظر میں انہوں نے قانونی اصلاحات کا دفاع کیا اور کہا کہ یہ اقدامات صرف ان افراد پر لاگو ہوں گے جو "براہِ راست سیکیورٹی فورسز پر فائرنگ کر رہے ہوں"۔ تاہم انہوں نے یہ بھی تسلیم کیا کہ انٹیلیجنس کی بنیاد پر آپریشن ہمیشہ ایک" گرے ایریا" میں ہوتے ہیں۔

ایک سینئر پولیس افسر نے رائے دی کہ ان مراکز کے لیے واضح قانونی ضابطے درکار ہیں تاکہ ان کے غلط استعمال کو روکا جا سکے۔ ان کے بقول، اگر درست طریقے سے ریگولیٹ کیا جائے تو یہ مراکز دہشت گردی کے مقدمات میں ہائی رسک ملزمان سے نمٹنے کے لیے زیادہ "مہذب" اور شفاف طریقہ کار ثابت ہو سکتے ہیں۔ جب ان سے پوچھا گیا کہ 90 دن کی حراست کی مدت کیوں ضروری ہے تو ایک اعلیٰ ریاستی نمائندے نے صاف الفاظ میں کہا کہ اس مدت کا مقصد یہ ہے کہ حکام مشتبہ افراد کی مزاحمت ختم کر سکیں۔

بلوچستان ہائی کورٹ کے وکلا نے مختلف رائے پیش کی۔ ان کا کہنا تھا کہ یہ ترمیم دراصل سابق فاٹا میں استعمال ہونے والے ماڈل کی نقل ہے، جس میں "ایڈ آف سول پاور" کے نام پر بغیر ایف آئی آر درج کیے 90 دن تک نظر بندی ممکن تھی۔ وکلا نے تشویش ظاہر کی کہ یہ قانون کے معین طریقہ کار کے تحت سلوک اور بلا جواز حراست و تشدد سے تحفظ کے بنیادی حق کے صریحاً منافی ہوگا۔

سفارشات

اپنی مشاہدات اور نتائج کی روشنی میں، مشن ریاست کے سامنے بلوچستان کو درپیش انسانی حقوق، حکمرانی اور سیاسی چیلنجز کے حل کے لیے درج ذیل سفارشات پیش کرتا ہے:

1۔ جبری گمشدگیوں کا فوری خاتمہ کیا جائے۔ تمام افراد کو جبری گمشدگی سے تحفظ دینے کے بین الاقوامی کنونشن کی توثیق اور اس پر عمل درآمد کیا جائے۔ 2022 میں منظور ہونے والے بل کی حیثیت واضح کی جائے۔ جبری گمشدگیوں سے متعلق تحقیقاتی کمیشن، جو احتساب میں ناکام رہا ہے، تحلیل کیا جائے اور ایک نیا کمیشن بنایا جائے جس کے پاس بااختیار قیادت اور مؤثر مینڈیٹ ہو تاکہ ریاستی عناصر کے خلاف قانونی کارروائی کی جا سکے۔

2۔ انتخابی عمل میں شفافیت، انصاف اور احتساب کو یقینی بنایا جائے۔ انتخابی دھاندلی اور دباؤ کے الزامات کی آزادانہ اور شفاف تحقیقات کی جائے۔ عوامی اعتماد بحال کرنے کے لیے سول اداروں کو غیر سیاسی بنایا جائے۔

3۔ انسدادِ دہشت گردی (بلوچستان ترمیمی) ایکٹ 2025 کو واپس لیا جائے۔ تمام سکیورٹی سے متعلقہ قوانین کا جائزہ لے کر انہیں بین الاقوامی انسانی حقوق کے معیارات سے ہم آہنگ کیا جائے۔ حراست میں ہر کیس پر عدالتی نگرانی اور شفافیت یقینی بنائی جائے اور بلا جواز یا غیر معینہ مدت کی حراست کا خاتمہ کیا جائے۔

4۔ چونکہ اس ایکٹ کے تحت تجویز کردہ حراستی مراکز خیبر پختونخوا کے سابقہ ماڈل کی طرز پر ہیں، اس لیے سپریم کورٹ سے گزارش ہے کہ وہ پشاور ہائی کورٹ کے فیصلے کے خلاف زیرِ التواء اپیلوں کا جلد فیصلہ کرے اور تمام حراستی مراکز کو باضابطہ ذیلی جیلوں کے طور پر نوٹیفائی کرنے کی ہدایت دے۔

5۔ تمام مشتبہ افراد کو شفاف عدالتی عمل کے ذریعے جوابدہ بنایا جائے۔ ماورائے عدالت اقدامات کے بجائے غیر جانبدارانہ تحقیقات اور منصفانہ مقدمات چلائے جائیں تاکہ قانون کی عملداری اور ریاست کی انصاف سے وابستگی واضح ہو۔ ماورائے عدالت ہلاکتوں کی بھی تحقیقات کر کے ذمہ داروں کو سزا دی جائے۔

6۔ اٹھارویں آئینی ترمیم کے تحت صوبائی خودمختاری کو بحال کیا جائے۔ خاص طور پر قدرتی وسائل کے انتظام میں شفاف اور جمہوری قانون سازی کو یقینی بنایا جائے۔ سینڈک پراجیکٹ اور بلوچستان مائنز اینڈ منرلز (ترمیمی) ایکٹ 2025 جیسے اقدامات واپس لیے جائیں اور مقامی اسٹیک ہولڈرز کو شامل کر کے روزگار اور آمدن کی منصفانہ تقسیم کو یقینی بنایا جائے۔

7۔ صوبے کو غیر عسکری بنایا جائے۔ تمام حقیقی سیاسی اسٹیک ہولڈرز سے بامعنی مکالمے کے حالات پیدا کیے جائیں تاکہ عوامی اعتماد بحال ہو اور دیرینہ مسائل حل ہوں۔ اس سلسلے میں قومی سطح کا ایک اعلیٰ سطحی ٹرتھ اینڈ ریکنسلی ایشن کمیشن قائم کیا جا سکتا ہے جو بین الصوبائی اعتماد کو فروغ دے اور وفاقی و شمولیتی جمہوریت کے عزم کو اجاگر کرے۔

8۔ کیٹگری اے اور بی والے علاقوں کو یکساں شہری پولیس کے دائرہ کار میں لایا جائے۔ سول قانون نافذ کرنے میں نیم فوجی اداروں پر انحصار ختم کیا جائے۔ بلوچستان پولیس کو وسائل، تربیت اور استعداد دی جائے تاکہ وہ انسانی حقوق کے مطابق جوابدہ انداز میں اپنی ذمہ داریاں ادا کر سکے۔

9۔ انسانی حقوق کے دفاع کاروں کو ہراساں کرنے کا سلسلہ بند کیا جائے۔ بی وائے سی سمیت تمام گروپس کے جائز کردار کو تسلیم کیا جائے اور ان کی حفاظت کو یقینی بنایا جائے۔ پُرامن اور تنقیدی آوازوں کے ساتھ تعمیری انداز میں مکالمہ کیا جائے تاکہ جمہوری کلچر کو فروغ ملے۔

10۔ وزیرِ اعظم کے فوکل پرسن برائے انسداد پولیو کو چاہیے کہ ان الزامات کی تحقیقات کریں کہ بعض افراد پولیو ورکرز کا بھیس بدل کر انسانی حقوق کے کارکنوں کو ہراساں کر رہے ہیں۔ اگر ان افراد کو انصاف کے کٹہرے میں نہ لایا گیا تو قومی پولیو مہم کی ساکھ متاثر ہو سکتی ہے۔

11۔ میڈیا اور صحافیوں پر ریاستی دباؤ کا خاتمہ کیا جائے۔ آزادیٔ اظہار کو یقینی بنایا جائے تاکہ انسانی حقوق کے مسائل، عوامی احتجاج اور ریاستی پالیسیوں پر تنقید کی آزادانہ رپورٹنگ ممکن ہو، جیسا کہ انسانی حقوق کے عالمی اعلامیے کے آرٹیکل 19 میں درج ہے۔

12۔ ایران اور افغانستان کے ساتھ سرحدی گزرگاہیں فوری طور پر کھولی جائیں۔ جائز اقتصادی سرگرمیوں کو فروغ دینے کے لیے ہدف شدہ اقتصادی معاونت اور انفراسٹرکچر میں سرمایہ کاری کی جائے، خاص طور پر زراعت اور تجارت میں، تاکہ بے روزگاری اور غربت پر قابو پایا جا سکے۔ افغان مہاجرین اور پناہ گزینوں کی جبری اور غیر انسانی ملک بدری فوری طور پر روکی جائے۔ ان میں سے بیشتر گزشتہ چار دہائیوں سے پاکستان میں مقیم ہیں۔ بغیر عدالتی عمل یا انفرادی جانچ کے ایسی ملک بدری بنیادی حقوق بشمول وقار، مساوات اور آئین کے آرٹیکل 4 کی خلاف ورزی ہے جو تمام افراد پر لاگو ہوتا ہے، خواہ وہ پاکستانی شہری ہوں یا نہیں۔

’قدرت متنبہ کررہی ہے کہ موسمیاتی تبدیلی کوئی سیاسی کھیل نہیں‘

خرم حسین

اب بارش سے آنے والی آفات کو سیاسی الزام تراشی کے لیے استعمال کرنے کی کوئی گنجائش باقی نہیں رہی ہے

رواں موسمِ گرما میں تین بڑی سیاسی جماعتوں کے زیرِ کنٹرول ملک کے تین بڑے صوبوں کو بارش سے متعلق ہنگامی صورت حال کا سامنا کرنا پڑا ہے جبکہ کوئی بھی سیاسی جماعت کسی دوسرے پر یہ الزام لگانے کی پوزیشن میں نہیں ہے کہ فلاں صوبائی حکومت نے اپنے صوبے کو آفت کے لیے تیار کرنے میں مؤثر کام نہیں کیا۔

یہ حقیقت واضح ہے کہ پاکستان تیزی سے بڑھتی ہوئی موسمیاتی تبدیلی کے اثرات سے نبرد آزما ہے اور اسے موافقت اور تیاری کے لیے روایتی فریم ورک سے ہٹ کر سوچنے کی ضرورت ہے۔ مون سون سال ہا سال شدت اختیار کررہا ہے، گلیشیئرز تیزی سے پگھل رہے ہیں جبکہ ہیٹ ویوز بھی بڑھتی جارہی ہیں۔ یہ کوئی سیاسی کھیل نہیں ہے۔ یہ ایک سنگین بحران ہے جو بد سے بدتر ہوتا جارہا ہے۔ سب سے پہلے تو ہمیں ان آفات کو سیاسی رنگ دینے سے اجتناب کرنا چاہیے کیونکہ اس سے واقعی میں کوئی فائدہ نہیں ہوتا۔

خیبر پختونخوا، سندھ اور پنجاب کی تینوں حکومتوں نے غیر معمولی بارشوں کے واقعات کا سامنا کیا ہے۔ لیکن غور کریں کہ ان واقعات کو سیاسی پوائنٹ اسکورنگ کے لیے استعمال کرنے کا خمیازہ انہیں خود ہی بھگتنا پڑا ہے۔ مثال کے طور پر جب جولائی میں پنجاب زیرِ آب تھا تو پنجاب اسمبلی میں پاکستان تحریک انصاف (پی ٹی آئی) کے قانون ساز نے اپنے ساتھیوں کی معطلی کے خلاف احتجاجاً عمارت کے باہر ’عوامی اسمبلی‘ کا انعقاد کیا۔ چلیے یہ بھی قابلِ فہم تھا کیونکہ سیاست اور ڈراما بھائی بھائی ہیں۔

لیکن ان میں سے کچھ نے اسے صوبے میں بارش سے ہونے والی تباہی کے لیے صوبائی حکومت کو تنقید کا نشانہ بنانے کے موقع کے طور پر جانا۔ اس اخبار کی ہی ایک رپورٹ میں ان تینوں کا نام لیا گیا جنہوں نے مریم نواز کی حکومت کو بارشوں سے آنے والے سیلاب کا ذمہ دار ٹھہرایا۔ انہوں نے شور مچایا کہ فصلیں اور کھیت کھلیان تباہ ہوچکے ہیں، مکانات زیرِ آب آچکے ہیں جبکہ حکومتِ پنجاب کے ’ترقیاتی منصوبوں‘ کی بھی قلعی کھل چکی ہے۔ رپورٹ کے مطابق، انہوں نے دعویٰ کیا کہ حکومت کو کوئی پروا نہیں۔

ان کے ساتھیوں کی معطلی کے پیشِ نظر، پنجاب میں اپوزیشن کی جانب سے احتجاج کرنے کی ضرورت اور خواہش قابلِ فہم ہے۔ جن لوگوں نے اپنی پارٹی کے ساتھ جاری غیر منصفانہ سلوک پر اپنی سیاست توجہ مرکوز رکھی، ان کا پیغام تو واضح تھا۔ لیکن جن لوگوں نے بارش کی تباہی کو سیاسی فائدے کے لیے اور حکومت پر حملہ کرنے کے لیے استعمال کیا، انہیں اس وقت سرپرائز ملا کہ جب کچھ دنوں بعد ان کی پارٹی کے ماتحت صوبے کو زیادہ بڑی قدرتی آفت کا سامنا کرنا پڑا۔

جتنی بھی تنقید انہوں نے پنجاب حکومت پر کی، اب بے معنی ہوچکی کیونکہ خیبرپختونخوا نے جس تباہی کا سامنا کیا، وہ پنجاب کی تباہی سے کئی گنا زیادہ تھی۔ اگر ہم ان آفات کو صرف سیاسی نظر سے دیکھتے ہیں تو خیبرپختونخوا میں پیدا ہونے والی تباہ کُن صورت حال کا ذمہ دار کس کو ٹھہرائیں گے؟

پھر بہت جلد ہی دونوں صوبوں کے حکام ’کلاؤڈ برسٹ‘ کے معنی پر ایک دوسرے سے جھگڑتے نظر آئے۔ دونوں صوبوں نے ہونے والی تباہی کو ’بادل پھٹنے‘ کا نتیجہ قرار دیا۔ انہوں نے کہا کہ پنجاب میں چکوال جبکہ خیبرپختونخوا میں بونیر میں بادل پھٹنے کے واقعات پیش آئے۔ پھر میٹ آفس نے دونوں صوبوں کے حکام کو باور کروایا کہ ’کلاؤڈ برسٹ‘ ایک خاص واقعے کا نام ہے جو چکوال اور بونیر دونوں میں رونما نہیں ہوا، ساتھ ہی زور دیا کہ دونوں حکام اس اصطلاح کو اپنے صوبے کی تباہی کا جواز کے طور پر پیش کرنے سے گریز کریں۔

لیکن کلاؤڈ برسٹ پر وہ اتنے مصر کیوں ہیں؟ کیونکہ بادل پھٹنے کے واقعے کی پیش گوئی کرنا تقریباً ناممکن ہوتا ہے اور اسے آفات کا ذمہ دار ٹھہرانے سے ہوتا یہ ہے کہ حکومت کو اپنی ناقص تیاری چھپانے کا بہانہ مل جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ صوبائی حکومتیں اب تواتر سے اپنے صوبوں میں بارش سے پیدا ہونے والی تباہ کُن صورت حال کے لیے بادل پھٹنے کی اصطلاح استعمال کرتی نظر آتی ہیں۔

رواں ہفتے کراچی نے بھی بارشوں کے شدید اسپیلز کا سامنا کیا ہے۔ منگل کو ہونے والے پہلے اسپیل میں 12 گھنٹے کے دورانیے میں 200 ملی میٹرز سے زائد بارش ریکارڈ کی گئی جس سے شہر اربن فلڈنگ کا شکار ہوا۔ یہ سیلابی صورت حال خطرناک تھی لیکن نکاسی آب بہتر تھی۔ میری عمر اتنی تو ہے کہ مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ 1991ء یا 2006ء میں ہونے والی نسبتاً کم بارشوں کے بعد بھی شہر کئی دنوں تک سیلاب میں ڈوبا ہوا تھا۔ تاہم 2020ء یا 2022ء کی طرح رواں ہفتے ہونے والی بارشوں میں بھی چند گھنٹوں میں پانی صاف ہوگیا۔ تو ماضی کی نسبت یہ قدرے بہتر صورت حال ہے۔

لیکن سوال اپنی جگہ برقرار ہے کہ شہر میں اتنی تیزی سے نکاسی آب کا نظام کام کیوں نہیں کرتا کہ بارشوں کے دوران سیلابی صورت حال پیدا ہی نہ ہو؟ اس حوالے سے کراچی میں ناقص شہری منصوبہ بندی کے ماہر عارف حسن نے پوڈکاسٹر شہزاد غیاث کو ایک اچھا انٹرویو دیا جس میں انہوں نے بیان کیا کہ کس طرح شہر کے تین اہم نکاسی آب کے راستوں پر ہونے والا ترقیاتی کام یا تعمیرات اربن فلڈنگ کی ایک بڑی وجہ ہے۔ ہر صوبائی حکومت کو آفات سے نمٹنے کے لیے اپنی تیاریوں میں بہتری لانے کی ضرورت ہے جن کی تعداد اور شدت بڑھتی جارہی ہے۔ پہلا اور سب سے اہم مرحلہ موسم کی بہتر پیش گوئی کی صلاحیت ہے۔ درست پیش گوئیوں کے بغیر ہم بنیادی طور پر یہ جانے بغیر کہ آگے کیا آنے والا ہے، طوفان کی زد میں آجائیں گے۔

ملک کے ایک سابق چیف میٹرولوجسٹ کا ایک اہم نکتہ میں یہاں شامل کرنا چاہوں گا۔ اسی اخبار کی ایک رپورٹ میں انہوں نے کہا کہ پاکستان میں صرف 85 خودکار موسمیاتی اسٹیشنز موجود ہیں جو اس کے 7 لاکھ مربع کلومیٹر سے زائد کی زمین پر کام کررہے ہیں۔ ورلڈ میٹرولوجیکل آرگنائزیشن کے اصولوں کے مطابق، ہر 100 مربع کلومیٹر فلیٹ زمین اور ہر 50 مربع کلومیٹر پہاڑی زمین کے لیے ایک موسمیاتی اسٹیشن ہونا چاہیے۔ اس کا مطلب ہے کہ پاکستان میں ہزاروں موسمیاتی اسٹیشنز کی کمی ہے جس کی وجہ سے ہم موسمی خطرات کی مناسب نگرانی نہیں کرسکتے۔

اس بڑی کمزوری کے ساتھ ہم ہمیشہ ہی آفات سے نمٹنے کے لیے تیار نہیں ہوں گے کیونکہ یہ تو حالات تو مزید سنگین ہوتے جائیں گے۔ نتیجتاً قدرتی آفات ہمیشہ سیاسی الزام تراشی اور پوائنٹ اسکورنگ کے لیے استعمال ہوتی رہیں گی اور اس سے ہمیں کوئی مدد نہیں ملے گی۔

تقریباً ایک دہائی پہلے پاکستان میں پانچ سالوں میں پانچ بڑے سیلاب آئے تھے جنہوں نے ایک واضح انتباہ کا کام کیا تھا۔ اب ایک بار پھر قدرت ہمیں متنبہ کررہی ہے کہ سیاست ہمیں نہیں بچاسکتی۔

رواں موسم گرما میں ملک کی تین سیاسی جماعتوں کے ماتحت چلنے والے تین صوبوں میں سیلاب نے ظاہر کیا کہ قدرتی آفات کو سیاسی مقاصد کے لیے استعمال کرنا آج ملک میں ہونے والی سیاست کی بدترین شکل ہے۔ ایسا کرنے والے وہی لوگ ہیں جو ایندھن کی قیمتوں یا کرنسی میں اتار چڑھاؤ جیسے عوامل پر ایک دوسرے پر الزام لگاتے تھے۔ یہ وقت ہے کہ ذمہ داری کا مظاہرہ کیا جائے۔ (بشکریہ ڈان)

پاکستان: گلگت بلتستان میں زچہ و بچہ کی دیکھ بھال کرتی لیڈی ہیلتھ ورکر

بشریٰ بھی انہی طبی کارکنوں میں شامل ہیں جو گزشتہ 13 سال سے اپنے علاقے میں لوگوں کی خدمت میں مصروف ہیں



لیڈی ہیلتھ ورکر بشریٰ دو بچوں کی ماں فاطمہ کو صحت بارے آگہی دے رہی ہیں

پاکستان کے شمالی علاقے گلگت بلتستان کی وادی خپلو فطری حسن اور مشکل زندگی کا نمونہ ہے۔ یہاں دیہات ایک دوسرے سے الگ تھلگ واقع ہیں جہاں طبی سہولیات نایاب نعمت تصور کی جاتی ہیں اور دشوار گزار طویل فاصلوں کے باعث ان تک رسائی بہت بڑا مسئلہ ہے۔

تاہم، یہاں گھر گھر جا کر طبی سہولت مہیا کرنے والی مقامی لیڈی ہیلتھ ورکر خاموشی سے ان علاقوں کے لوگوں کی زندگیاں بدل رہی ہیں۔ یونیسیف کے تعاون سے یہ خواتین طبی کارکن ان لوگوں کو صحت کی سہولیات فراہم کرنے کے ساتھ انہیں غذائی قلت سے چھٹکارا پانے اور سماجی و ثقافتی رکاوٹوں کو دور کرنے میں بھی مدد دیتی ہیں۔

بشریٰ بھی انہی طبی کارکنوں میں شامل ہیں جو گزشتہ 13 سال سے اپنے علاقے میں لوگوں کی خدمت میں مصروف ہیں۔ وہ روزانہ گھروں میں جا کر ماں اور بچے کی صحت، خاندانی منصوبہ بندی، اور غذائیت کے حوالے سے مشورے فراہم کرتی ہیں۔ وہ اپنے کام کے ابتدائی ایام کو یاد کرتے ہوئے کہتی ہیں کہ اُس وقت حمل میں بڑے پیمانے پر اموات ہوتی تھیں۔ حاملہ خواتین میں خون کی کمی (انیمیا) اور دیگر مسائل عام تھے اور اکثر اوقات زچگی کے دوران ماں اور بچہ دونوں ہی جان کی بازی ہار جاتے تھے۔

وہ بتاتی ہیں کہ ہر سال حمل اور زچگی کے دوران کم از کم تین یا چار اموات واقع ہوتی تھیں۔ یہ صورتحال دل دہلا دینے والی تھی اور ایسا لگتا تھا جیسے اسے روکا نہیں جا سکتا۔

آج بشریٰ فخریہ لہجے میں بتاتی ہیں کہ اب حمل اور زچگی کے دوران ہونے والی اموات نہ ہونے کے برابر ہیں اور یہ اس تمام عرصہ میں ان کی سب سے بڑی کامیابی ہے۔

غذائی قلت کا سدباب

مسلسل محنت اور ہمدردانہ انداز میں کئے گئے اقدامات کی بدولت بشریٰ اور ان کی ساتھی لیڈی ہیلتھ ورکرز نے بے شمار زندگیاں بچانے میں اہم کردار ادا کیا ہے۔ یہ ایسے لوگوں کی زندگی میں آنے والی غیر معمولی تبدیلی ہے جو کبھی غذائی قلت، بیماریوں اور قابل علاج اموات سے بری طرح متاثر تھے۔

مناسب غذا سے متعلق آگاہی کی کمی ان لوگوں کے لیے بہت بڑا مسئلہ تھا۔ کئی برس تک بہت سی نئی اور حاملہ مائیں متوازن غذا کی اہمیت سے ناواقف رہیں جس کے نتیجے میں ان کے بچے غذائی قلت کا شکار رہتے تھے۔

ڈسٹرکٹ ہیلتھ آفس (ڈی ایچ او) کے نیوٹریشن آفیسر احتشام الحق بتاتے ہیں کہ ماں کی صحت کے حوالے سے غذا کا معاملہ اس علاقے میں ہمیشہ سے ایک نظرانداز شدہ مسئلہ رہا ہے۔ لوگ اس پر زیادہ غور نہیں کرتے تھے لیکن اس کے نتائج نہایت سنگین تھے۔ اب جب لیڈی ہیلتھ ورکرز کو کسی بچے میں شدید غذائی کمی کے بارے میں اطلاع ملتی ہے تو وہ فوراً اُسے قریبی غذائیت مرکز میں بھیج دیتی ہیں اور اس کی حالت کا باقاعدہ جائزہ لیتی رہتی ہیں۔

روایت اور غذائیت کی جنگ

مقامی طور پر تیار کی جانے والی نمکین چائے کا استعمال اس علاقے میں غذائی قلت کا ایک بڑا سبب تھا۔ یہ چائے نمک اور سوڈیم بائی کاربونیٹ جیسے اجزا سے بنائی جاتی اور دن بھر پی جاتی تھی۔ اکثر یہ کھانے کا متبادل بن جاتی تھی اور اس روایت کو بدلنا آسان نہیں تھا۔

بشریٰ وضاحت کرتی ہیں کہ یہ چائے جسم میں آئرن کی کمی، بلند فشار خون جیسے مسائل اور معدے کی خرابیوں کا باعث بنتی تھی۔ لیڈی ہیلتھ ورکر اس مسئلے سے نمٹنے کے لیے اپنے نگران افسر کے ساتھ لوگوں سے مسلسل ملاقاتیں کرتیں اور انہیں اس چائے کے نقصانات سے آگاہی دیتی تھیں لیکن ایسی پختہ عادات کو بدلنے میں بہت سا وقت صرف ہوا۔

مقامی لیڈی ہیلتھ سپروائزر ناہید فاطمہ اس نمکین چائے کو 'بلتی شراب' کہتی ہیں۔ اسے یہ نام اس لیے دیا گیا کہ پینے والے کو گویا اس کی لت پڑ جاتی ہے۔ لیڈی ہیلتھ ورکرز اور ضلعی افسر صحت نے یونیسف کے تعاون سے ماؤں کو اس چائے کے نقصانات سے آگاہ کیا اور انہیں صحت مند متبادل اپنانے کی ترغیب دی۔ نتیجتاً، آج یہ نقصان دہ روایت تقریباً ختم ہو چکی ہے۔

بشریٰ ماؤں کے گروپ کے ساتھ اپنی ماہانہ ملاقات میں انہیں بچوں کی نشوونما جانچنے کا طریقہ بتا رہی ہیں۔

مصنوعی دودھ کے خلاف مہم

ایک اور تشویشناک مسئلہ جس پر فوری توجہ دینا ضروری تھا وہ نومولود بچوں کو چائے سفید کرنے والے محلول دودھ پلانے کا بڑھتا ہوا رجحان تھا۔ اس مصنوعی دودھ کو غلط فہمی کے تحت ماں کے دودھ کا سستا متبادل سمجھا جا رہا تھا۔ سبزیوں کے تیل اور مصنوعی اجزا سے تیار کردہ یہ شے ان ماؤں میں مقبول ہو گئی جو دودھ کا کوئی کم قیمت متبادل تلاش کر رہی تھیں۔

احتشام بتاتے ہیں کہ انہوں نے یونیسف کے تعاون سے ماؤں کو اس سفید محلول کے خطرات کے بارے میں آگاہ کیا اور انہیں بتایا کہ یہ اصل دودھ نہیں بلکہ تیل اور مصنوعی اجزا کا ایک نقصان دہ آمیزہ ہے۔ اس طرح یہ نقصان دہ عادت بتدریج علاقے سے ختم کر دی گئی۔ آج خواتین نہ صرف ماں کے دودھ کی اہمیت سے بہتر طور پر واقف ہیں بلکہ اپنے بچوں کے لیے محفوظ اور مناسب غذا استعمال کرنے کے لیے زیادہ پرعزم بھی ہیں۔

لیڈی ہیلتھ ورکرز کے کام کا ایک اہم پہلو ساسوں کو آگاہی دینا بھی ہے جن کی بعض پختہ روایات زچگی کے بعد ان کی بہوؤں کی صحت اور غذائیت میں رکاوٹ بنتی ہیں۔ دراصل، ان علاقوں میں روایت ہے کہ مائیں بچوں کو جنم دینے سے دو یا تین ماہ بعد ہی کھیتوں میں کام پر واپس چلی جاتی ہیں۔ گھروں میں ان کے بچوں کی دیکھ بھال ساس کے ذمے ہوتی ہے جو ماؤں کی غیر موجودگی میں انہیں غیر معیاری



ایک ماں اپنے بچے کے ساتھ



لیڈی ہیلتھ ورکر نہ صرف ماؤں کو طبی معاملات بارے آگہی دیتی ہیں بلکہ وہ انہیں صحتمند خوراک کا بھی بتاتی ہیں

فارمولا دودھ پلاتی ہیں۔

ناہید کہتی ہیں کہ مسلسل مشاورتوں کے ذریعے لیڈی ہیلتھ ورکر ان رویوں میں تبدیلی لانے کی کوشش کر رہی ہیں۔ اس کے نتیجے میں اب مائیں یہ سمجھنے لگی ہیں کہ بچے کو اپنا دودھ پلانا محض نومولود کے لیے ہی نہیں بلکہ خود ان کی اپنی صحت کے لیے بھی ضروری ہے۔ اس طرح حالات میں بہتری آ رہی ہے لیکن اس مسئلے پر مزید توجہ اور کوشش کی ضرورت ہے۔

گھریلو غذا کی ترویج

لیڈی ہیلتھ ورکرز کا کام صرف انفرادی مشاورت تک ہی محدود نہیں بلکہ وہ ہر ماہ سماجی گروہوں میں ماؤں کے لیے تربیتی نشستیں بھی منعقد کرتی ہیں۔ یہ نشستیں سیکھنے، غلط فہمیوں کو دور کرنے اور معاونت فراہم کرنے کے لیے ایک محفوظ ماحول فراہم کرتی ہیں۔

ناہید بتاتی ہیں کہ لیڈی ہیلتھ ورکر ماؤں کو متوازن خوراک، بچے کو اپنا دودھ پلانے کی اہمیت اور بچوں کی صحت پر نظر رکھنے کے طریقے سکھاتی ہیں۔ ان نشستوں کا ایک اہم حصہ ماؤں کو غذائیت جانچنے والی ٹیپ کے استعمال کی تربیت دینا ہوتا ہے تاکہ وہ جلد علامات پہچان کر غذائی قلت کے خطرات سے آگاہ ہوسکیں۔ اس کے ساتھ بچے کی خاندانی دیکھ بھال کے رجحان کو بھی فروغ دیا جاتا ہے جس میں والد کا کردار بھی شامل ہوتا ہے۔

یہ نشستیں صرف ماؤں تک ہی محدود نہیں ہوتیں بلکہ ان میں رضا کار بھی شرکت کرتے ہیں، جو یہ معلومات دوسرے افراد تک پہنچاتے ہیں۔ عوامی سطح کی یہ حکمت عملی بے حد مؤثر ثابت ہوئی ہے اور اس نے صحت کی بہتری کے لیے ایک باخبر اور متحرک سماجی برادری کو جنم دیا ہے۔

بلتی خوراک کے استعمال کا فروغ

لیڈی ہیلتھ ورکر مقامی طور پر دستیاب غذائیت سے بھرپور خوراک اور بالخصوص بلتی غذا کے استعمال کو فروغ دینے کا کام بھی کرتی ہیں جس میں خوبانی کی گری، اخروٹ، انڈے، دودھ، سبزیاں اور گوشت شامل ہوتے ہیں۔ بشریٰ بتاتی ہیں کہ وہ ماؤں کو مقامی اجزاء سے اپنے اور بچوں کے لیے متوازن اور صحت بخش کھانے تیار کرنے کو کہتی ہیں۔ صحت کی بہتر نگرانی کے ساتھ یہ غذائی تبدیلی علاقے میں ماں اور بچے دونوں کی صحت اور غذائیت میں مثبت تبدیلی لائی ہے۔

لیڈی ہیلتھ ورکر غیر مقامی بازاروں میں غیر معیاری اور غیر منظور شدہ خوراک کے پھیلاؤ کو روکنے کے لیے بھی کام کرتی ہیں۔ احتشام بتاتے ہیں کہ خواتین طبی کارکنوں نے سکولوں میں بچوں اور اساتذہ کو ایسی خوراک کے نقصانات کے بارے میں تربیت دی ہے۔ اس کے نتیجے میں خود بچوں نے اپنے والدین کو گھر کا تیار کردہ کھانا اپنانے پر قائل کیا۔ اس تبدیلی سے نہ صرف غذائیت میں بہتری آئی بلکہ خوراک سے متعلق بیماریوں میں بھی کمی واقع ہوئی۔

ملک گیر اقدامات اور نتائج

چائلڈ انویسٹمنٹ فنڈ فاؤنڈیشن کی مسلسل معاونت کے ساتھ یونیسف نے پاکستان بھر کے 62 اضلاع میں زچہ و بچہ کی غذائیت بہتر بنانے کی کوششوں کو مزید مضبوط کیا ہے۔

2024 میں 15 لاکھ بچوں کی طبی جانچ کی گئی، 59 ہزار سے زیادہ بچوں کا علاج کیا گیا اور 1,500 سے زیادہ خواتین طبی فراہم کنندگان اور خواتین طبی کارکنان کو تربیت دی گئی۔ اسی طرح، 9 ہزار سے زیادہ لیڈی ہیلتھ ورکرز کی رہنمائی ہوئی، ماؤں کے 5,400 معاون گروہ بنائے گئے اور 7 لاکھ سے زیادہ ماؤں اور نگرانوں تک رسائی حاصل کی گئی۔

وادی چپلو میں لیڈی ہیلتھ ورکرز کی محنت نے علاقے کی صحت کا نقشہ بدل دیا ہے۔ ناہید کہتی ہیں کہ یہ صرف صحت اور غذائیت کے فروغ کا کام ہی نہیں بلکہ زندگیاں بدلنے اور سماجی برادریوں کو با اختیار بنانے کی مہم بھی ہے۔ یونیسف کے تعاون اور ان خواتین کی لگن سے اب یہ لوگ صحت مند، باخبر اور مسائل سے نمٹنے کے لیے بہتر طور پر تیار ہیں اور لیڈی ہیلتھ ورکرز کے کام کا اثر ہر ماں اور بچے کی زندگی میں محسوس کیا جا رہا ہے۔ گلگت بلتستان کی لیڈی ہیلتھ ورکر پر یہ مضمون پہلے انگریزی میں شائع ہوا تھا۔

کلچر کی چادر، مذہب کا نقاب: سوشل میڈیا پر منافقت کی منڈی

سنی ضیاء

سوشل میڈیا کے دور میں جہاں ہر شخص اپنی رائے کو دلیل کے ساتھ پیش کرنے کا دعویدار ہے، وہاں ایک نیا کھیل پروان چڑھ رہا ہے: مذہب اور ثقافت کے نام پر ہر بات کو جواز دینا۔ کوئی بھی موضوع ہو، چاہے وہ سیاست ہو یا سماج، فنونِ لطیفہ ہوں یا صنفی مسائل — دلیل کے بجائے مذہب اور ''روایتی اقدار'' کو ڈھال بنا دیا جاتا ہے۔ حیرت انگیز امر یہ ہے کہ یہ رویہ اکثر انہی لوگوں میں نظر آتا ہے جو عملی طور پر انہی اقدار سے سب سے زیادہ دور ہوتے ہیں۔

یہ منافقت سب سے نمایاں انداز میں اُن سوشل میڈیا انفلوئنسرز اور مشہور شخصیات کے ہاں دکھائی دیتی ہے جنہوں نے اپنی کامیابی جدیدیت اور لبرل پلیٹ فارمز کے ذریعے حاصل کی۔ مگر جب اپنی کمزور دلیل کو سہارا دینا ہو یا اپنی مصنوعات بیچنی ہوں تو اچانک مذہب اور کلچر کی زبان بولنے لگتے ہیں۔ مثال کے طور پر مشہور فیشن ڈیزائنر ماریا بی کو لیجیے، جو آئے دن خواجہ سراؤں کے خلاف بیانات دیتی ہیں اور ہر معاملے کو مغربی ایجنڈے سے جوڑ دیتی ہیں۔ اس رویے میں صرف تنگ نظری نہیں بلکہ معاشرتی نفرت اور عدم برداشت کو ہوا دینے کی خطرناک رجحان بھی پوشیدہ ہے۔

یہی حکمتِ عملی سیاست میں بھی دیکھی جا سکتی ہے۔ رہنما جب عوام کو کارکردگی یا پالیسی کی بنیاد پر قائل نہ کر سکیں تو فوراً مذہب یا ثقافت کا کارڈ کھیل دیتے ہیں۔ عورت مارچ اور خواتین کی تحریکوں کو کس طرح "غیر اسلامی" قرار دیا گیا، یہ ہماری اجتماعی یادداشت کا حصہ ہے۔ حالانکہ ان تحریکوں کا مقصد صرف برابری، تحفظ اور سماجی انصاف کا مطالبہ تھا۔ لیکن مذہب کے لیبل سے ان تحریکوں کو عوامی سطح پر بدنام کر دیا گیا۔

یہ رجحان صرف سیاست اور فیشن تک محدود نہیں۔ بڑے ادا کار اور اداکارائیں بھی جب شہرت کے آخری دنوں میں داخل ہوتے ہیں تو اچانک مذہبی لبادہ اوڑھ لیتے ہیں۔ یوٹیوب چینل کھول کر مذہبی لیکچرز دینا اور فالوورز کو ' 'ہدایت ' ' بیچنے کے ذریعے کمرشل فائدہ اٹھانا ایک عام چلن بنتا جا رہا ہے۔

سوال یہ ہے کہ عوام ان باتوں پر یقین کیوں کر لیتے ہیں؟ ماہرین کے مطابق اس کی ایک بڑی وجہ نفسیاتی ہے۔ جن معاشروں میں تعلیم اور تنقیدی سوچ کی کمی ہو، وہاں لوگ سادہ جملوں اور مذہبی یا ثقافتی نعروں کے پیچھے چل پڑتے ہیں۔ خوف اور عدم تحفظ انہیں مزید کمزور بنا دیتا ہے۔ نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ سوال اٹھانے کی روایت مر جاتی ہے اور انتہا پسندی کو جڑ پکڑنے کا موقع مل جاتا ہے۔

یہ رویے صنفی فرق کو بھی بڑھاتے ہیں۔ عورت کو صرف " گھر تک محدود کردار" کے طور پر پیش کرنا اور سوال کرنے والوں کو "مغرب زدہ" کہنا معاشرتی تقسیم کی دیوار اونچی کرتا ہے۔ یہی تقسیم آگے چل کر ہجوم کی صورت اختیار کرتی ہے جہاں کوئی بھی "غیر اسلامی" یا "مغربی ایجنڈے" کا لیبل کسی بے گناہ کی جان لے سکتا ہے۔

یہ بھی حقیقت ہے کہ مذہب کے نام پر منافرت پھیلانے کا یہ سلسلہ محض سوشل میڈیا تک محدود نہیں رہتا بلکہ اس کے نتائج عملی زندگی میں بھی ظاہر ہوتے ہیں۔ مختلف تحقیقی رپورٹس، بشمول ہیومن رائٹس کمیشن آف پاکستان اور کئی بین الاقوامی اداروں کی اسٹڈیز، بتاتی ہیں کہ مذہبی جذبات کو بھڑکانے والی زبان آہستہ آہستہ شدت پسندی میں بدل جاتی ہے۔ یہی شدت پسندی بعد میں ہجوم کی شکل اختیار کرتی ہے اور "مذہب کے دفاع" کے نام پر بے گناہ انسانوں کو مار ڈالتی ہے۔ یوں ایک بیانیہ جو صرف لائیک اور شیئر سے شروع ہوتا ہے، بالآخر عملی تشدد اور Mob Lynching میں بدل جاتا ہے۔

ماہرین اس بات پر زور دیتے ہیں کہ معاشرے کو تعلیم دینا، خصوصاً صنفی مساوات اور انسانی حقوق کے حوالے سے، وقت کی سب سے بڑی ضرورت ہے۔ جب تک لوگ یہ نہیں سمجھیں گے کہ مذہب اور کلچر کا اصل پیغام برداشت، احترام اور عدل ہے، تب تک یہ کھیل جاری رہے گا۔ نفرت کے بجائے مکالمہ اور تعصب کے بجائے علم ہی وہ راستہ ہے جو ہمیں ایک پرامن اور متوازن معاشرے کی طرف معاشرے کی طرف لے جا سکتا ہے۔

ہیومن رائٹس کمیشن آف پاکستان کے ممبر کی گرفتاری!!

لنڈی کوتل انسانی حقوق کے نمائندے اور لنڈی کوتل مسائل حل کمیٹی کے سرکردہ رہنما سمیع اللہ آفریدی کو شیڈول فورتھ کے تحت لنڈی کوتل پولیس اسٹیشن کے احاطے سے گرفتار کر لیا گیا، تاہم پولیس نے ان کی گرفتاری سے لاعلمی کا اظہار کیا ہے، باخبر ذرائع۔ مقامی لوگوں کے مطابق سمیع اللہ آفریدی قوم اور علاقے کے لوگوں کے مسائل پر مثبت اور جاندار انداز میں آواز بلند کرتے ہیں اور ہر وقت میدانِ عمل میں عوام کے حقوق کے لئے برسرِپیکار رہتے ہیں۔ مقامی لوگوں کے مطابق سمیع اللہ آفریدی نے ہمیشہ پُرامن اور جمہوری انداز میں اپنی آواز بلند کی ہے اس لئے ان کو شیڈول فور کے تحت گرفتار کرنا زیادتی ہے۔ مقامی لوگوں نے ان کی جلد از جلد رہائی کا مطالبہ کیا ہے۔ سمیع اللہ آفریدی کے قریبی رشتہ داروں کے مطابق ان کو مردان جیل پہنچا دیا گیا ہے۔

(مسعود شاہ)

فائرنگ سے شہری جاں بحق

---- تیراہ زخہ خیل کے علاقے سڑے کنڈاو کا رہائشی محمد نظیر ولد شعیب جان گزشتہ شب اپنی اہلیہ کو ایمرجنسی ڈیلیوری کے لیے لے جانے نکلے۔ عینی شاہدین کے مطابق سڑے کنڈاو چیک پوسٹ پر سیکورٹی اہلکاروں نے انہیں آگے جانے کی اجازت دی، تاہم مومند اغوذ کے مقام پر فورسز نے ان کی گاڑی پر فائر کھول دیا، جس کے نتیجے میں وہ موقع پر ہی جاں بحق ہو گئے۔ مقامی ذرائع کے مطابق محمد نظیر کا تعلق کاروباری طبقے سے تھا اور وہ علاقے میں ایک عام دکاندار کے طور پر جانے جاتے تھے۔

(مسعود شاہ)

تعلیم کی ابتر صورتحال

نوشکی یونین کونسل قادر آباد کے پرائمری سکول میں تعلیمی صورتحال انتہائی ابتر ہو چکی ہے۔ اس وقت 400 سے زائد بچے اس سکول میں زیرِ تعلیم ہیں، لیکن اسکول میں صرف ایک استاد تعینات ہے۔ یہ سنگین صورتحال نہ صرف بچوں کی تعلیم بلکہ ان کے مستقبل کو بھی شدید خطرے میں ڈال رہی ہے۔ انتہائی افسوس کا مقام ہے کہ بلدیاتی نمائندے، اور نہ ہی محکمہ تعلیم اس مسئلے کا نوٹس لے رہے ہیں۔ اہلِ علاقہ بار بار حکام کی توجہ اس جانب مبذول کروا چکے ہیں، لیکن تاحال کوئی شنوائی نہیں ہوئی۔ اہلیان قادر آباد نے پرزور مطالبہ کیا ہے کہ فوری طور پر اضافی اساتذہ کی تعیناتی کی جائے اور تعلیمی نظام کو بہتر بنایا جائے۔ بصورت دیگر عوام سخت احتجاج کرنے پر مجبور ہوں گے، اور اس کی تمام تر ذمہ داری متعلقہ حکام پر عائد ہوگی۔

(محمد سعید)

سیلابی پانی کی سٹوریج، کیا ڈیموں کی تعمیر فطرت دوست حکمت عملی ہے؟

قیصرہ صدیق



اگر صرف پچھلی تین چار دہائیوں کا ہی ذکر کریں تو مون سون موسم کبھی اتنا غیر متوازن، غیر یقینی اور شدت پسند نہیں رہا جتنا کہ آج ہے۔ ماضی میں مون سون پیش گوئی کے قابل تھا۔ بارشیں آہستہ آہستہ اور مسلسل برستی تھیں جس سے زیر زمین پانی میں اضافہ ہوتا تھا اور فصلوں کو بھرپور فائدہ پہنچتا تھا۔

آج کل بارشوں کا پیٹرن غیر متوازن ہو گیا ہے یا تو بارشیں بالکل نہیں ہوتیں اور خشک سالی کا خطرہ لاحق ہو جاتا ہے یا پھر چند منٹوں یا گھنٹوں میں اتنا پانی برس جاتا ہے کہ سیلابی شکل اختیار کر لیتا ہے۔ ہمارے لیے کلاؤڈ برسٹ اور فلیش فلڈز کی ٹرمز بھی کافی نئی ہیں۔

ماضی کے مون سون پیٹرن کا فائدہ یہ تھا کہ کئی دن تک جاری رہنی والی ہلکی ہلکی بارشوں سے ندی نالے اور دریا میں آہستہ آہستہ پانی بھرتا تھا اور سیلابی صورت حال بہت کم دیکھنے میں آتی تھی۔

شہروں میں نکاسی آب کے مسائل تو ہوتے تھے لیکن اس قدر تباہی نہیں ہوتی تھی جو آج اربن فلڈز کی شکل میں نظر آتی ہے۔ کاشتکار اپنی فصلوں کی بوائی بارشوں کے تسلسل کو ذہن میں رکھ کر کرتے تھے اور زراعت کو بھرپور فائدہ ہوتا تھا۔

پوری دنیا میں موسموں اور بارشوں کا یہ بگاڑ ماحولیاتی تبدیلیوں کی وجہ سے ہے جسے کلائمیٹ چینج بھی کہا جاتا ہے۔ ان تبدیلیوں نے زمین، زرعی نظام اور شہری انفراسٹرکچر کو شدید نقصان پہنچایا ہے۔

تحقیات بتاتی ہیں کہ 2010 اور 2022 کے شدید سیلاب کلائمیٹ چینج کی وجہ سے اس قدر سنگین ثابت ہوئے۔

ان ماحولیاتی تبدیلیوں کی وجہ سے گرمی کی لہر میں اضافہ ہوتا ہے اور گلیشیئر پگھلنے کی وجہ سے ندی نالوں میں طغیانی آ جاتی ہے۔ چھوٹے چیک ڈیمز یا آبی ذخائر نا ہونے کی وجہ سے پانی ضائع بھی ہو جاتا ہے اور تباہی کا باعث بھی بنتا ہے۔

شہروں میں درختوں کے بے دریغ کٹاؤ، پکی سڑکوں، عمارتوں اور بہتر نکاس آب نا ہونے کی وجہ سے پانی زمین میں جذب نہیں ہوتا اور سیلابی ریلے کی شکل اختیار کر لیتا ہے۔ انسانی جانیں ضائع ہوتی ہیں اور شدید معاشی نقصان ہوتا ہے۔ پاکستان میں جنگلات نا ہونے کے برابر ہیں جو بارشوں کے نظام کو متوازن رکھنے میں بہت اہم کردار ادا کرتے ہیں۔

پاکستان ایک زرعی ملک ہے جس کا دار و مدار پانی پر ہے لیکن ہم سیلابی تباہ کاریوں اور خشک سالی کا بیک وقت شکار رہتے ہیں۔

اس ساری صورت حال میں ایک اہم سوال یہ ہے کہ کیا ہمیں ان سیلابوں سے بچنے کے لیے ڈیمز بنانے کی ضرورت ہے یا کوئی اور ایسا متبادل نظام ہو جس سے نقصان کم سے کم ہو کیونکہ مقامی سطح پر فی الحال ایسے کسی حل پر ہی عمل در آمد ہو سکتا ہے۔

اس ساری صورت حال سے نمٹنے کے لیے پاکستان میں پالیسی سازوں اور ماہرین کی ایک بڑی تعداد ڈیمز کے حق میں دلائل دیتی ہے۔ ان کی رائے میں بارشوں اور گلیشیئرز پگھلنے سے آنے والا پانی ڈیمز میں محفوظ کیا جا سکتا ہے اور بعد میں زرعی اور گھریلو استعمال میں لایا جا سکتا ہے۔

ہم اس پانی سے بجلی بھی پیدا کر سکتے ہیں جو قدرے سستی اور ماحول دوست ہوگی۔ ان کی رائے میں ڈیمز کی تعمیر کافی حد تک سیلابی صورت حال کو روک سکتی ہے کیونکہ اچانک آنے والے پانی ان ڈیمز میں ذخیرہ ہو جائے گا اور اس کے ساتھ ڈیمز کی تعمیر روزگار بھی مہیا کرے گی۔

اس کے برعکس بعض ماہرین کا یہ خیال ہے یہ ایک ناپائیدار اور فطری تقاضوں کے برعکس حل ہے۔ ڈیمز کی تعمیر پانی کے قدرتی بہاؤ کی راہ میں رکاوٹ ہے جس سے ماحولیاتی نظام کو نقصان پہنچتا ہے۔ ڈیلٹا سکڑ جاتا ہے اور آبی حیات متاثر ہوتی ہیں۔

ماضی میں بننے والے ڈیمز اس بات کے گواہ ہیں کہ ڈیمز کی تعمیر لوگوں کو ان کے گھروں سے بے دخل کر دیتی ہے اور پھر ہمارے ہاں صوبائی کشیدگی کا ایک بڑا مسئلہ بھی کھڑا ہو جاتا ہے کہ اس پانی پر سب سے زیادہ حق کس کا ہے۔

ڈیمز نا صرف فطری تقاضوں کے منافی ہیں یہ معیشت پر بھی بہت بڑا بوجھ ہیں خاص طور پر ایک ایسے ملک کے لیے جو پہلے ہی قرضوں کے بوجھ تلے دبا ہوا ہے۔ کیونکہ کسی بھی ایک ڈیم کی زندگی بھر کی لاگت اربوں ڈالرز بنتی ہے اور ماحولیاتی نقصان الگ۔ متبادل کے طور پر پیش کیے جانے والے حل، ندی نالوں کے انتظام کو بہتر کرنا اور زیر زمین ریچارج زونز کا بنانا ہے جہاں پانی ذخیرہ ہو سکے اور بعد میں استعمال کے قابل ہو سکے۔ یہ حل زیادہ پائیدار اور کم لاگت والا ہے۔ ان ریچارج زونز کی پانی ذخیرہ کرنے کی کپیسٹی بھی ڈیمز کے مقابلے میں کہیں زیادہ ہے۔

بڑے ڈیمز کے مقابلے میں چھوٹے ڈیمز یا تالاب زیادہ کارآمد ہیں۔ دریاؤں کے کنارے موجود دلدلی علاقے جن کو وٹ لینڈز بھی کہا جاتا ہے پانی ذخیرہ کرنے کا ایک بہترین ذریعہ ہیں جنہیں بحال کیا جانا چاہیے۔

دریاؤں کو پھیلنے کی جگہ دینی چاہیے۔ دریاؤں کے کناروں کو خالی چھوڑ دینا چاہیے تاکہ اضافی پانی وہاں سما سکے نا کہ آبادیوں میں داخل ہو کر تباہی مچائے۔ ہمارے اردگرد بہت سے ممالک میں یہ ماڈل اپنائے گئے ہیں جن میں ہمارے ہمسایہ ممالک انڈیا، بنگلہ دیش اور ایران بھی شامل ہیں۔

ہمیں کسی بھی نئے منصوبے کو انوائرمنٹ امپیکٹ اسیسمنٹ کے بغیر شروع نہیں کرنا چاہیے۔ اس کے ساتھ ساتھ آبپاشی کے جدید طریقوں کی طرف جانا چاہیے۔ چونکہ ہمارا زراعت کے لیے پانی پر انحصار بہت زیادہ ہے اس لیے ہمیں ڈرپ اریگیشن اور اسپرنکلر سسٹم اپنانے اور عام کرنے کی اشد ضرورت ہے۔

شہروں میں بارش کے پانی کو محفوظ بنانے کے لیے رین واٹر ہارویسٹنگ کو لازمی کیا جائے۔ جنگلات کو بڑھا کر بارش کے پانی کو زمین میں جذب ہونے دینا چاہیے۔

ہمیں ہر اس منصوبے کو فی الفور روک دینا چاہیے جو ماحولیاتی نقصان کا باعث ہو، چاہے وہ ڈیمز ہی کیوں نہیں ہیں۔ سیلابی پانی کے انتظام کے لیے فطرت دوست حکمت عملی اپنانا ہی ہمارے حق میں سب سے بہتر ہے۔

(بشکریہ اردو نیوز)

جبری گمشدگی کے متاثرین کے عالمی دن کے موقع پر
ایچ آر سی پی ریجنل آفس تربت مکران کے زیرِاہتمام پروگرام

تــربــت 30 اگست 2025 کو جبری گمشدگی سے متاثرین کے عالمی دن کے موقع پر ایچ آر سی پی ریجنل آفس تربت مکران کے زیرِاہتمام پریس کلب تربت میں ایک پروگرام منعقد ہوا۔ اس پروگرام کے دو حصے تھے: اظہارِ خیال اور مظاہرہ۔ پروگرام میں 32 ساتھیوں نے شرکت کی۔ پہلے حصے میں 6 مقررین نے اظہارِ خیال کیا جبکہ دوسرے حصے میں تمام شرکاء نے پریس کلب کے سامنے متعلقہ پلے کارڈز کے ساتھ ایک مظاہرہ کیا۔

پہلے حصے میں پروفیسر غنی پرواز، ایڈووکیٹ عبدالمجید دشتی، ایڈووکیٹ رستم جان، محمد کریم گچکی، خان محمد جان اور مقبول ناصر نے اظہارِ خیال کیا۔

پروفیسر غنی پرواز نے کہا کہ جبری گمشدگی آمریت کی پیداوار ہے کیونکہ آمر قوتِ برداشت سے محروم ہوتے ہیں۔ جب بھی شہری اپنے جائز حقوق کا مطالبہ کرتے ہیں یا اختلافِ رائے کا اظہار کرتے ہیں تو آمر اسے اپنے وقار کا مسئلہ سمجھ کر انتقاماً شہریوں کو طرح طرح کی سزائیں دیتے ہیں، جن میں جبری گمشدگی بھی شامل ہے۔

انہوں نے مزید کہا کہ جبری گمشدگی کا آغاز 1970 کی دہائی میں لاطینی امریکی ملک ارجنٹائن میں جنرل رافیل کی آمرانہ فوجی حکومت سے ہوا۔ بعدازاں یہ سلسلہ 1980 کی دہائی میں چلی تک پھیل گیا جہاں جنرل پنوشے کی آمرانہ حکومت قائم تھی۔ تاہم جب ان ملکوں میں جمہوریت بحال ہوئی تو یہ عمل ختم ہوگیا۔ 1990 کی دہائی میں بھارت میں نرسمہا راؤ کے دورِ حکومت میں یہ سلسلہ کشمیر میں آزادی پسند کشمیریوں کے خلاف استعمال ہوا، لیکن چونکہ وہاں جمہوریت موجود تھی اس لیے زیادہ دیر جاری نہ رہ سکا۔ اس دوران یہ عمل سری لنکا، بنگلہ دیش اور افغانستان میں بھی دیکھا گیا۔

بلوچستان میں جبری گمشدگی کا سلسلہ سب سے زیادہ شدت کے ساتھ سامنے آیا۔ اس کا آغاز منصوبہ بندی کے بغیر ذوالفقار علی بھٹو کے دورِ حکومت میں 1970 کی دہائی میں ہوا۔ 1976 میں اسد مینگل اور احمد کرد کو جبری طور پر اغوا کر کے قتل کیا گیا جب وہ کراچی میں سردار بلخ شیر مزاری کے گھر پناہ گزین تھے۔ اس وقت حیدرآباد سازش کیس کے تحت سردار عطا اللہ مینگل کی حکومت برطرف کی گئی اور 52 دیگر سیاسی رہنماؤں کو گرفتار کر لیا گیا۔ بعد ازاں 1986 میں تربت کے خان صابر کراچی سے لاپتہ ہوئے، جبکہ 2000 میں سیاسی رہنما عبدالنبی بنگلزئی کو کوئٹہ سے لاپتہ کیا گیا لیکن کچھ عرصے بعد رہا کر دیا گیا۔ اجتماعی اور منظم انداز میں جبری گمشدگی کا آغاز جنرل پرویز مشرف کی آمرانہ حکومت میں 2001 سے ہوا، اور آج تک ہزاروں افراد کو لاپتہ کیا گیا ہے۔ ہزاروں کو ماورائے عدالت قتل کر کے ویرانوں میں پھینک دیا گیا اور ہزاروں کو زخمی و معذور بنا دیا گیا۔

ایچ آر سی پی اور اس پروگرام کے ذریعے پرزور مطالبہ کیا گیا کہ جبری گمشدگی، ماورائے عدالت قتل اور ظلم و جبر کے یہ

> **بلوچستان میں جبری گمشدگی کا سلسلہ سب سے زیادہ شدت کے ساتھ سامنے آیا۔ اس کا آغاز منصوبہ بندی کے بغیر ذوالفقار علی بھٹو کے دورِ حکومت میں 1970 کی دہائی میں ہوا۔ 1976 میں اسد مینگل اور احمد کرد کو جبری طور پر اغوا کر کے قتل کیا گیا جب وہ کراچی میں سردار بلخ شیر مزاری کے گھر پناہ گزین تھے۔ اس وقت حیدرآباد سازش کیس کے تحت سردار عطا اللہ مینگل کی حکومت برطرف کی گئی اور 52 دیگر سیاسی رہنماؤں کو گرفتار کر لیا گیا۔**

سلسلے ہمیشہ کے لیے بند کیے جائیں۔

دیگر شرکاء نے کہا کہ ملک کا نظامِ انصاف سے خالی ہے اور حکومت اپنے عوام کے ساتھ ناروا سلوک کر رہی ہے۔ جبری گمشدگیاں، کرپشن اور ظلم نے عوام کی زندگی اجیرن کر دی ہے۔ عوام کو شہری نہیں بلکہ غلام سمجھا جاتا ہے جن پر جب چاہے طاقت استعمال کی جاتی ہے۔ ریاست اور مسلح تنظیموں کے درمیان فرق مٹ چکا ہے اور دونوں ایک دوسرے کے خلاف ہتھیار اٹھائے ہوئے ہیں جبکہ عام لوگ پس رہے ہیں۔ اسلامی اور دنیاوی قوانین کے مطابق جبری گمشدگی سنگین جرم ہے مگر یہ سلسلہ جاری ہے۔ اقوامِ متحدہ بھی بڑی طاقتوں کے دباؤ، خصوصاً امریکہ کی وجہ سے خاموش ہے۔ آخر میں یہ نکتہ اجاگر کیا گیا کہ انصاف کے بغیر کوئی ریاست قائم نہیں رہ سکتی اور ظلم کی حکومت کبھی پائیدار نہیں ہوتی۔

30 اگست کے پروگرام کی قراردادیں

1۔ ڈاکٹر مہرنگ بلوچ اور ساتھیوں کی رہائی

ڈاکٹر مہرنگ بلوچ، گلزادی بلوچ، بیبو بلوچ، شاہ جی اور بیبگر بلوچ سمیت متعدد افراد پچھلے پانچ ماہ سے غیر قانونی، غیر آئینی اور غیر جمہوری طور پر قید ہیں۔ انہوں نے کوئی غیر قانونی عمل نہیں کیا بلکہ آئین اور قانون کے مطابق پُرامن جدوجہد کی ہے۔ پروگرام کے ذریعے ان کی فوری رہائی کا مطالبہ کیا جاتا ہے۔

2۔ تمام لاپتہ افراد کی بازیابی

2001 سے اب تک تقریباً 68 ہزار بلوچ لاپتہ ہو چکے ہیں۔ اجلاس مطالبہ کرتا ہے کہ تمام لاپتہ افراد کو فوراً بازیاب اور رہا کیا جائے اور مستقبل میں اس عمل کو بند کیا جائے۔

3۔ ماورائے عدالت قتل کا خاتمہ

2001 سے اب تک 23 ہزار سے زیادہ بلوچ ماورائے عدالت قتل کیے جا چکے ہیں اور ان کی مسخ شدہ لاشیں ویرانوں میں پھینکی گئی ہیں۔ اجلاس مطالبہ کرتا ہے کہ یہ سلسلہ فوراً بند کیا جائے۔

4۔ تمام لاپتہ بلوچوں کی بازیابی

ڈاکٹر دین محمد، ذاکر مجید، وہاب نور، دادشاہ، رفیق عمان، رشید حمید، عادل عصاء، آصف بلوچ، علی اصغر بنگلزئی، چنگیز ساحر، زرینہ مری اور استاد واحد کمبر سمیت تمام لاپتہ بلوچوں کی فوری بازیابی اور رہائی کا مطالبہ کیا گیا۔

5۔ لاپتہ غیر بلوچوں کی بازیابی

پاکستان بھر میں ہزاروں غیر بلوچ بھی جبری طور پر لاپتہ کیے گئے ہیں۔ اجلاس اس عمل کی مذمت کرتا ہے اور تمام متاثرہ افراد کی بازیابی اور رہائی کا مطالبہ کرتا ہے۔

6۔ عوام سے اپیل

علاقے کے عوام سے اپیل کی گئی کہ اگر کسی کا قریبی شخص جبری طور پر لاپتہ کیا جائے تو فوراً ایچ آر سی پی ریجنل آفس تربت مکران سے رابطہ کریں اور اقوامِ متحدہ کا فارم حاصل کر کے پُر کریں تاکہ متعلقہ اداروں کو بھیج کر لاپتہ افراد کی بازیابی کی کوشش کی جا سکے۔

دوسرا حصہ: مظاہرہ

پروگرام کے دوسرے حصے میں خواتین و حضرات نے پریس کلب کے سامنے پلے کارڈز اٹھا کر مظاہرہ کیا۔ اس دوران جبری گمشدگی کی سخت مذمت کی گئی اور تمام لاپتہ افراد کی فوری بازیابی اور رہائی کا مطالبہ کیا گیا۔ مزید یہ بھی کہا گیا کہ آئندہ جبری گمشدگیوں اور ماورائے عدالت قتل کا سلسلہ ہمیشہ کے لیے ختم کیا جائے۔

☆☆☆

غربت از راہِ منصوبہ بندی

سعید احمد

عالمی بینک کے غربت سے متعلق نئے اندازوں کے مطابق، پاکستان کی 44.7 فیصد آبادی (یعنی تقریباً 11 کروڑ افراد) غربت میں زندگی گزار رہی ہے۔ انتہائی غربت میں رہنے والے افراد کا تناسب 4.9 فیصد سے بڑھ کر 16.5 فیصد ہو گیا ہے۔ یہ نظرِ ثانی شدہ تخمینہ ایک نئے حدِ غربت پر مبنی ہے، جس میں کووڈ-19 وبا کے اثرات، 2022 کے سیلاب اور حالیہ برسوں میں زندگی کی بڑھتی ہوئی لاگت شامل نہیں کی گئی، جو ممکنہ طور پر مزید لوگوں کو غربت کی طرف دھکیل چکی ہیں۔

دوسری طرف، فی کس آمدنی مالی سال 2025 میں بڑھ کر 1,824 ڈالر ہو گئی ہے۔ مگر یہ اضافہ ملک میں بڑھتی ہوئی آمدنی کی عدم مساوات کو چھپا دیتا ہے۔ یہ محض اعداد و شمار نہیں بلکہ پالیسی کے انتخاب اور معیشت کی غلط سمت کی عکاسی کرتے ہیں۔ یہ ظاہر کرتا ہے کہ ہمارا معاشی ماڈل ناکام ہو چکا ہے اور غربت کے خاتمے کے لیے حکمتِ عملی پر از سرِ نو غور کرنے کی ضرورت ہے۔

مختلف حکومتیں سبسڈی اور ریلیف پروگراموں مثلاً بینظیر انکم سپورٹ پروگرام (بی آئی ایس پی) پر اربوں روپے خرچ کرتی رہی ہیں، مگر ترقی، روزگار کے مواقع، انسانی وسائل کی ترقی اور دیہی معیشت کو نظرانداز کرتی آئی ہیں۔ پاکستان میں غربت محض بڑھ نہیں رہی، بلکہ پالیسی فیصلوں کے ذریعے پیدا اور برقرار رکھی جا رہی ہے جو عدم مساوات کو استحکام بخشتے ہیں اور مواقع کو محدود کرنے کا باعث بنتے ہیں۔

بی آئی ایس پی نے 2008 سے کم آمدنی والے گھرانوں اور کمزور طبقوں کو سہارا دینے میں اہم کردار ادا کیا ہے۔ مالی سال 2026 میں اس پروگرام کے بجٹ میں 20 فیصد اضافہ کر کے اسے 722 ارب روپے (جی ڈی پی کا 0.5 فیصد) کر دیا گیا ہے تاکہ مزید 1 کروڑ خاندان اس سے مستفید ہو سکیں۔ سہ ماہی وظیفہ 13,500 روپے سے بڑھا کر 14,500 روپے کر دیا گیا ہے۔ تاہم، محدود مالی وسائل اور کم شرح نمو کے پیشِ نظر، مجموعی غربت میں کمی کی حکمت عملی پر سنجیدگی سے نظرِ ثانی کی ضرورت ہے۔

حکومت کو چاہیے کہ وہ عوام کو براہِ راست متاثر کرنے والے مسائل پر توجہ دے۔ مالی سال 2026 کا بجٹ زیادہ تر آئی ایم ایف، کاروباری اشرافیہ اور سرکاری ملازمین کے لیے تھا۔ اس میں معاشی جمود، بے روزگاری، غربت، عدم مساوات اور انسانی ترقی کی زبوں حالی سے نمٹنے کے لیے کوئی واضح وژن یا منصوبہ نہیں تھا۔

پاکستان میں غربت محض حادثاتی نہیں ہے بلکہ یہ پالیسی کے انتخاب، غفلت اور نظام میں موجود خامیوں کا نتیجہ ہے۔ کاشتکاروں کو اس سال صرف گندم کی پیداوار میں ہی 2.2 کھرب روپے کا نقصان اٹھانا پڑا، جس سے غذائی تحفظ خطرے سے دوچار ہوا اور دیہی آمدنی متاثر ہوئی۔ زرعی شعبہ، جو جی ڈی پی کا 23 فیصد ہے، 37 فیصد افرادی قوت کو روزگار دیتا ہے اور برآمدات میں 60 فیصد حصہ ڈالتا ہے، موسمیاتی واقعات، قیمتوں میں گراوٹ، پالیسی کی ناکامیوں اور ریاستی غفلت سے شدید متاثر ہوا۔ 2025 میں فصلوں کی پیداوار میں 13.5 فیصد کمی ہوئی: کپاس 30.7 فیصد، مکئی 14.7 فیصد اور گندم 8.9 فیصد۔ کھاد کی قلت، گندم کی امدادی قیمت ختم کرنا (آئی ایم ایف کے دباؤ پر)، اور حکومتی خریداری کے نظام سے انخلا نے کسانوں کو منڈی کے رحم و کرم پر چھوڑ دیا ہے۔

اسی دوران، وزیروں، ارکانِ اسمبلی، ججوں اور بیوروکریسی کی تنخواہیں اور مراعات بڑھا دی گئیں، جبکہ ملک قرضوں کی ادائیگی کے لیے جدوجہد کر رہا ہے۔ یہ عوامی مشکلات کے حوالے سے حکومتی بے حسی کی علامت ہے۔

ہمارا ٹیکس نظام بھی عدم مساوات کو بڑھاتا ہے۔ تنخواہ دار طبقے نے مالی سال 2025 میں تقریباً 555 ارب روپے ٹیکس دیا، جو پچھلے سال سے 51 فیصد زیادہ ہے، مگر بڑے تاجر، جاگیردار، سٹے باز اور غیر رسمی معیشت سے کمانے والے تقریباً محفوظ رہے۔ تاجر دوست اسکیم صرف 4 ملین روپے جمع کر سکی، حالانکہ ہدف 50 ارب تھا۔ ممتاز ماہرِ معیشت ڈاکٹر حفیظ پاشا کے مطابق مہنگائی اور ٹیکسوں کی وجہ سے تنخواہ دار طبقے کی حقیقی آمدنی میں 30 فیصد کمی آئی ہے۔

دنیا کے دیگر خطوں سے یہ سبق ملتا ہے کہ صرف امداد سے غربت ختم نہیں ہوتی۔ افریقہ اس کی واضح مثال ہے، جہاں اربوں ڈالر کی سالانہ امداد کے باوجود آج بھی دنیا کے 75 فیصد غریب آباد ہیں۔ اس کے برعکس، چین، بھارت اور لاطینی امریکہ نے پائیدار معاشی ترقی، ادارتی اصلاحات اور ہدف شدہ سماجی پالیسیوں کے ذریعے کروڑوں لوگوں کو غربت سے نکالا ہے۔

پاکستان میں گزشتہ تین برسوں میں فی کس نمو منفی رہی۔ شرح نمو مالی سال 2023 میں -0.5 فیصد، مالی سال 2024 میں 2.5 فیصد اور مالی سال 2025 میں محض 2.68 فیصد رہی۔ صرف استحکام کے اقدامات معیشت کو آگے نہیں بڑھا سکتے، یہ صرف غربت اور بے روزگاری میں اضافہ کرتے ہیں۔

2023 کی ڈیجیٹل مردم شماری نے دیہی سندھ، بلوچستان اور خیبر پختونخوا میں شرحِ خواندگی میں خطرناک فرق کو واضح کیا ہے۔ صحت کے شعبے کی صورتحال بھی ناگفتہ بہ ہے، جبکہ صوبوں کے اندر شہری و دیہی اور مختلف اضلاع میں بڑی ناہمواریاں پائی جاتی ہیں۔

جن ممالک نے غربت اور انسانی ترقی میں نمایاں بہتری حاصل کی، انہوں نے معیشت کو بڑھانے، ادارتی اصلاحات اور سماجی تحفظ کی مربوط پالیسیوں پر توجہ دی۔ پاکستان کو بھی یہی راستہ اختیار کرنا ہوگا، جس کے لیے خلوصِ نیت، سیاسی عزم، پالیسی کی یکسوئی اور وفاقی و صوبائی حکومتوں میں ہم آہنگی درکار ہے۔

(بشکریہ ڈان)

احمدیوں کی عبادت گاہوں کے مینار گرا دیے گئے اور ایک عبادت گاہ کو مکمل طور پر آگ لگا دی گئی

نوشکی 14 اگست کو ضلع فیصل آباد میں، تھانہ ڈجکوٹ کی حدود میں، ہجوم نے احمدیوں کے خلاف دن کو تشدد میں بدل دیا۔ قومی جلوسوں کے پردے میں ایک ہجوم نے نفرت انگیز تقاریر اور احمدیہ جماعت کے خلاف تشدد کو ہوا دی۔

ہجوم نے 275 کرتار پور میں احمدیوں کی دو عبادت گاہوں کو نشانہ بنایا، جہاں ان کے مینار گرا دیے گئے اور ایک عبادت گاہ کو مکمل طور پر آگ لگا دی گئی۔ یہ دونوں عبادت گاہیں 1984 سے پہلے تعمیر کی گئی تھیں۔ یہ تباہی دو گھنٹے تک جاری رہی جبکہ پولیس کی طرف سے کوئی تحفظ فراہم نہیں کیا گیا۔

ہجوم نے قریبی احمدی گھروں پر بھی حملہ کیا۔ احمدی گھروں پر پتھر برسائے گئے، کھڑکیاں توڑ دی گئیں اور اہلِ خانہ کو خوف و ہراس میں مبتلا کر دیا گیا۔ اس تباہی کے دوران احمدیوں کو زدوکوب کیا گیا۔ ایک احمدی نوجوان کے سر پر اینٹ ماری گئی، دیگر افراد کو لاٹھیوں سے مارا گیا اور کئی زخمی ہوئے۔

یہ وہ آزادی نہیں ہے جس کا خواب پاکستان کے بانیوں نے دیکھا تھا۔ جب تک ایسے جرائم کے مرتکب افراد کو انصاف کے کٹہرے میں نہیں لایا جاتا، عدم برداشت بڑھتی رہے گی۔ حکام کو چاہیے کہ وہ فوری طور پر تمام شہریوں کے تحفظ کو یقینی بنائیں۔

(نامہ نگار)

حیسکو کی ممکنہ نجکاری کے خلاف احتجاجی مظاہرہ

ٹنڈومحمد خان پاکستان واپڈا ہائیڈرو الیکٹرک ورکرز یونین (سی بی اے) آپریشن ڈویژن حیسکو ٹنڈو محمد خان کے ملازمین کی جانب سے حیسکو کی ممکنہ نجکاری کے خلاف گرڈ اسٹیشن چوک پر احتجاجی مظاہرہ کیا گیا۔ احتجاج میں بڑی تعداد میں ملازمین نے شرکت کی اور نجکاری کے فیصلے کے خلاف شدید نعرے بازی کی۔ مظاہرے میں پاکستان واپڈا ہائیڈرو الیکٹرک یونین کے رہنما اور عہدیداران موجود تھے جن میں ڈویژنل چیئرمین زاہد علی کھوسو، چیئرمین سب ڈویژن 2 محمد یونس نظامانی، ڈویژنل سیکریٹری عبدالعزیز میمن، چیئرمین سب ڈویژن 1 رشید احمد میمن، چیئرمین بلڑی شاہ کریم سجاد علی سٹھیو، چیئرمین ڈویژن ماجد علی سرھیو، ڈویژنل وائس چیئرمین ارجن کمار، سیکریٹری سب ڈویژن 1 فیاض علی میمن، سیکریٹری سب ڈویژن 2 عابد علی ہالیپوٹو، سیکریٹری بلڑی شاہ کریم میر عامر علی ٹالپر اور جوائنٹ سیکریٹری سب ڈویژن 1 میر ظہیر ٹالپر اور یونین کے دیگر عہدیداروں نے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ حکومت کی جانب سے حیسکو سمیت بجلی کے دیگر اداروں کی نجکاری ملک دشمن منصوبہ ہے جسے کسی صورت برداشت نہیں کیا جائے گا۔ نجکاری نہ صرف ملازمین کے روزگار کے لیے خطرہ ہے بلکہ اس سے صارفین کو مہنگی بجلی اور خراب سروس کا سامنا بھی کرنا پڑے گا۔ انہوں نے کہا کہ اگر حکومت نے نجکاری کا فیصلہ واپس نہ لیا تو ملک بھر میں بھرپور احتجاج کیا جائے گا۔حیسکو کی نجکاری کا مقصد بجلی کی تقسیم کار کمپنیوں کو فائدہ پہنچانا ہے۔

یعقوب لطیف سومرو)

پاکستان اور انڈیا میں سیلاب کی تباہ کاریوں پر یو این چیف کا اظہار افسوس

...... اقوام متحدہ کے سیکرٹری جنرل انتونیو گوتیرش نے پاکستان اور انڈیا میں سیلاب سے جانی نقصان پر افسوس کا اظہار کیا ہے جہاں حالیہ دنوں شدید بارشوں کے نتیجے میں اچانک آنے والے سیلاب اور پہاڑی تودے گرنے سے سیکڑوں افراد ہلاک، زخمی اور لاپتہ ہو چکے ہیں۔سیکرٹری جنرل نے متاثرہ خاندانوں سے ہمدردی کا اظہار کرتے ہوئے کہا ہے کہ اقوام متحدہ اس آفت کی زد میں آنے والوں کے ساتھ اظہار یکجہتی کرتا ہے۔دونوں ممالک میں اقوام متحدہ کی ٹیمیں متاثرہ علاقوں میں تحفظ کی خدمات اور امداد کی فراہمی کے لیے تیار ہیں تاہم فی الوقت ان کی جانب سے مدد کی درخواستیں موصول نہیں ہوئیں۔موسمیاتی اداروں کی پیش گوئی کے مطابق دونوں ممالک میں آئندہ دنوں مزید سیلاب آنے اور پہاڑی تودے گرنے کا خدشہ ہے۔اطلاعات کے مطابق، پاکستان کے صوبہ خیبر پختونخواہ میں یہ آفت حالیہ دنوں کم از کم 333 جانیں لے چکی ہے جبکہ سیکڑوں لوگ زخمی ہو گئے ہیں۔ حکام کے مطابق، شمال مغربی شہر بونیر سیلاب سے بری طرح متاثر ہوا ہے جہاں 200 سے زیادہ اموات کی اطلاع ہے۔انڈیا میں ہمالیہ کے علاقے میں سیلاب سے ایک پہاڑی گاؤں بہہ جانے کے نتیجے میں کم از کم 60 ہلاکتیں ہوئی ہیں۔

بچوں کا بھاری نقصان

اقوام متحدہ کے ادارہ برائے اطفال (یونیسف) نے پاکستان میں سیلاب سے جانی و مالی نقصان پر افسوس کا اظہار کرتے ہوئے بتایا ہے کہ 15 اگست کے بعد صوبہ خیبر پختونخوا اور شمالی علاقوں میں سیلاب اور پہاڑی تودے گرنے سے ہلاک ہونے والوں میں کم از کم 21 بچے بھی شامل ہیں۔ادارے نے گلگت بلتستان سمیت متاثرہ علاقوں میں ضروری ادویات بھجوائی ہیں اور امدادی کارروائیوں کے لیے حکومت کو ہر ممکن مدد کی فراہمی کے لیے تیار ہے۔ یونیسف کی جانب سے جاری کردہ بیان میں کہا گیا ہے کہ سیلاب سے بچوں کو بہت زیادہ نقصان ہوا ہے جنہیں نقل مکانی، تعلیم میں خلل اور صاف پانی تک رسائی میں مشکلات جیسے مسائل کا سامنا ہے۔موجودہ حالات میں انہیں بیماریاں لاحق ہونے، استحصال اور بدسلوکی کے خطرات بھی بڑھ گئے ہیں جبکہ صدمے اور نقصان کے اثرات پر قابو پانے کے لیے انہیں نفسیاتی مدد کی بھی فوری ضرورت ہے۔

سکولوں کی تباہی

ادارے کا کہنا ہے کہ اگرچہ موسمیاتی تبدیلی میں بچوں کا کردار نہ ہونے کے برابر ہے لیکن وہ اس کی تباہ کاریوں سے بری طرح متاثر ہو رہے ہیں۔خیبر پختونخواہ میں سیلاب سے متعدد سکولوں کو بھی نقصان پہنچا ہے جن میں بعض مکمل طور پر تباہ ہو گئے ہیں۔ بہت سے سکولوں کو عارضی پناہ گاہوں میں تبدیل کر دیا گیا ہے جس سے بچوں کے لیے تعلیم اور محفوظ جگہوں تک رسائی مزید محدود ہو گئی ہے۔رواں سال پاکستان میں مون سون کی شدت گزشتہ سال کے مقابلے میں 50 تا 60 فیصد زیادہ رہی۔ 26 جون کے بعد سیلاب اور پہاڑی تودے گرنے کے واقعات میں 171 افراد ہلاک اور 256 زخمی ہو چکے ہیں۔موسمیاتی اداروں نے ستمبر کے وسط تک مزید شدید بارشوں، بادل پھٹنے اور اچانک سیلاب کی پیش گوئی کی ہے۔ یونیسف نے کہا ہے کہ ادارہ اپنے شراکت داروں کے تعاون سے ملک میں بچوں سمیت متاثرہ لوگوں کو بحالی اور ایسے مستقبل کی تعمیر میں مدد دینے کے لیے تیار ہے جس میں وہ موسمیاتی دھچکوں کو سہنے کے قابل ہوں۔

(بشکریہ یو این خبرنامہ)

قبائلی رہنما کی رہائی کا مطالبہ

خیبر ضلع خیبر کی تحصیل جمرود میں زوان کوکی خیل اتحاد کے زیر اہتمام آل پارٹیز کانفرنس کا انعقاد ہوا جس میں مشترکہ طور پر ملک نصیر احمد کوکی خیل کی فوری رہائی کا مطالبہ کیا گیا۔ زوان کوکی خیل اتحاد کے زیر اہتمام تاریخی باب خیبر کے مقام پر آل پارٹیز کانفرنس منعقد ہوئی کا مقصد قبائلی مشر ملک نصیر احمد کوکی خیل کی جبری گمشدگی اور فوری رہائی کے حوالے سے مشترکہ لائحہ عمل طے کرنا تھا۔ کانفرنس میں مختلف سیاسی جماعتوں، قبائلی مشران، سماجی کارکنوں، سول سوسائٹی، منتخب عوامی نمائندگان اور نوجوانوں نے بھرپور شرکت کی اور متفقہ طور پر اعلامیہ جاری کیا گیا۔کانفرنس میں جماعت اسلامی، پاکستان تحریک انصاف، عوامی نیشنل پارٹی، پاکستان پیپلز پارٹی، مسلم لیگ (ن)، جمعیت علمائے اسلام، تحریک کرین پاکستان، باڑہ سیاسی اتحاد اور دیگر جماعتوں کے رہنماؤں و عہدیداران نے شرکت کی۔اعلامیہ میں کہا گیا کہ ملک نصیر کوکی خیل کا کسی سیاسی جماعت یا گروہ سے کوئی تعلق نہیں، مگر ان کی شخصیت قبائلی معاشرے میں انتہائی قابل احترام ہے۔ان کی گرفتاری اور اس کے بعد جبری گمشدگی سے قبائلی عوام میں شدید غم وغصہ پایا جاتا ہے۔ملک نصیر کوکی خیل کو فوری اور باعزت طور پر رہا کیا جائے۔ان کی صحت وزندگی سے متعلق قوم میں پائی جانے والی تشویش کو سنجیدگی سے لیا جائے اور ان کے اہل خانہ کو مکمل معلومات فراہم کی جائیں۔ان کے خلاف درج مقدمات میں عدالتوں سے ضمانت منظور ہو چکی ہے، لہٰذا ان کی مسلسل غیر قانونی حراست اور جبری گمشدگی ناقابلِ قبول ہے۔کانفرنس کے شرکاء نے واضح الفاظ میں اعلان کیا کہ اگر ریاست نے ملک نصیر کوکی خیل کو فوری طور پر رہا نہ کیا تو نہ صرف خیبر بلکہ پورے قبائلی اضلاع میں بھرپور مزاحمتی تحریک شروع کی جائے گی۔

(مسعود شاہ)

اداریہ: نکاسی آب کے مناسب نظام سے محروم، مفلوج شہرِ کراچی

----- مون سون ایک بار پھر کراچی کے لیے موت اور مصائب کے علاوہ کچھ نہیں لایا ہے جہاں منگل کو ہونے والی 'غیر معمولی' بارش نے اس بدقسمت شہر کو مفلوج کر دیا ہے۔ بارشوں سے تباہی کے واقعات ملک کے دیگر حصوں جیسے خیبر پختونخوا اور گلگت بلتستان میں بھی دیکھنے میں آئے ہیں جہاں سیکڑوں افراد لقمہ اجل بنے۔ لیکن کراچی میں اربن فلڈنگ کا مسئلہ اپنے آپ میں کئی حوالوں سے منفرد ہے جو خراب منصوبہ بندی اور غیر منظّم ترقی کی وجہ سے بڑھا ہے۔ میئر نے اس تباہی کی وجہ 'موسمیاتی تبدیلی' کو قرار دیا ہے۔ سیلاب سے بھری سڑکیں، گھنٹوں سڑکوں پر پھنسے ہوئے لوگ اور گھٹن زدہ موسم میں طویل عرصے تک بجلی کی بندش، منگل کے اسپیل کے کچھ نتائج تھے۔ یقیناً اس بار شہر کے بہت سے حصوں میں بہت زیادہ بارشیں ہوئیں لیکن اس سے قبل بھی نسبتاً کم بارشوں نے بھی شہری زندگی کے پہیے کو جام کیا۔ موٹر سائیکل اور کار سوار لوگوں کو گہرے پانی میں پھنسے اور بارش کا پانی گھروں اور اپارٹمنٹ کی عمارتوں میں داخل ہوتے مناظر ظاہر کرتے ہیں کہ شہر کے نکاسی آب کے نظام میں سنگین خرابی ہے۔ کم آمدنی والے، نشیبی علاقوں کے باسی بھی اسی طرح متاثر ہوئے۔ سپریم کورٹ اور آزاد شہری ماہرین سے لے کر سوشل میڈیا پر اظہارِ برہمی کرتے لوگوں تک، سب ہی نے اس حقیقت پر اپنی مایوسی کا اظہار کیا ہے کہ کراچی میں مناسب نکاسی آب کا نظام نہیں ہے اور یہ کہ مون سون سے متعلق تباہی ہر سال کا معمول بن چکی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ مسئلہ کئی دہائیوں سے حل طلب ہے اور اس کا الزام صرف موجودہ حکومت کو ٹھہرانا ناانصافی ہوگی۔ یکے بعد دیگرے آنے والی انتظامیہ نے کراچی کو نظر انداز کیا ہے یا شاذ و نادر اس کے شہری مسائل پر لب کشائی کی ہے کیونکہ تجاوزات اور زمین پر قبضہ کرنے والوں نے اس کا چہرہ بگاڑ دیا ہے۔ کراچی کے شہری مسائل بشمول ناقص نکاسی آب پیچیدہ ہیں اور کئی دہائیوں سے نظر انداز کیے جانے کو ہفتوں یا مہینوں میں دور نہیں کیا جا سکتا۔ لیکن شروعات شہر کے اہم مسائل، بنیادی طور پر ٹھوس فضلہ کو ٹھکانے لگانے، پانی کی فراہمی، کام کرنے والا سیوریج سسٹم، زمین کا منصفانہ انتظام وغیرہ سے ہونی چاہیے جو کہ سب آپس میں جڑے ہوئے ہیں۔ شہر کے منتظمین اور آزاد ماہرین کو یہ مسائل حل کرنا چاہئیں۔ اس کے علاوہ ایک بہتر بلدیاتی نظام جو مقامی مسائل کا فوری حل کرے اور لوگوں کو جوابدہ ہو، کراچی کی شہریوں کی پریشانیوں کو حل کرنے کے لیے ضروری ہے کیونکہ کراچی میں زمین کو کنٹرول کرنے والے متعدد ادارے بھی شہری نظم و نسق کو پیچیدہ بناتے ہیں۔

(انگریزی سے ترجمہ، بشکریہ ڈان)

عالمی یوم آبادی: نوجوان ایک منصفانہ اور مشمولہ دنیا کے خواہشمند، گوتیرش



----- نوجوانوں کو معاشی غیر یقینی، صنفی نابرابری، طبی مشکلات، موسمیاتی بحران اور بڑھتی ہوئی جنگوں سے جنم لینے والے مسائل کا سامنا ہے۔ اقوام متحدہ کے سیکرٹری جنرل انتونیو گوتیرش نے کہا ہے کہ نوجوان نسل مستقبل تشکیل دے رہی ہے اور ایسی دنیا چاہتی ہے جو مس صفانہ، مشمولہ اور مستحکم ہو۔ عالمی یوم آبادی پر اپنے پیغام میں انہوں نیکہا ہے کہ منصفانہ اور پُر امید دنیا میں نوجوانوں کو با اختیار بنانا اقوام متحدہ کے اس عہد کی توثیق ہے کہ ہر فرد کو اپنی زندگی اور مستقبل کے بارے میں آگاہی پر مبنی فیصلے لینے کا حق حاصل ہے۔ اگرچہ دنیا بھر میں بہت سے نوجوانوں کو معاشی غیر یقینی، صنفی نابرابری، طبی مشکلات، موسمیاتی بحران اور بڑھتی ہوئی جنگوں سے جنم لینے والے مسائل کا سامنا ہے لیکن اس کے باوجود وہ جرات سے کام لیتے ہوئے، اپنے ضمیر کے مطابق اور واضح انداز میں قائدانہ کردار ادا کر رہے ہیں۔ وہ مطالبہ کرتے ہیں کہ ان کے حقوق برقرار رکھے جائیں اور ان کے فیصلوں کی حمایت کی جائے۔ اس موقع پر جنسی و تولیدی صحت کے لیے اقوام متحدہ کے ادارے (یو این ایف پی اے) کی ڈائریکٹر نتالیہ کینم نے کہا ہے کہ نوجوانوں کے مطالبات پر توجہ دی جانا چاہیے اور انہیں اپنے حقوق سے کام لینے، اپنے فیصلے خود کرنے اور پر امید مستقبل سے لطف اندوز ہونے میں مدد ملنی چاہئے۔

مشمولہ اور پُر امن مستقبل

سیکرٹری جنرل نے اقوام متحدہ کے رکن ممالک پر زور دیا ہے کہ وہ ایسی پالیسیاں اختیار کریں جن سے نوجوانوں کو تعلیم اور صحت تک رسائی اور ان کے تولیدی حقوق کو تحفظ ملے۔ ان کا کہنا ہے کہ سبھی لوگ نوجوانوں کا ساتھ دیں اور ایسا مستقبل تعمیر کریں جہاں ہر فرد ایک مس صفانہ، پرامن اور پر امید دنیا میں اپنا مقدر تشکیل دے سکے۔ نوجوانوں کے حقوق کی ایک کارکن نے 'یو این ایف پی اے' کو بتایا ہے کہ نوجوان محض اپنے مستقبل کے بچوں کے بارے میں نہیں سوچ رہے بلکہ وہ اس دنیا کے بارے میں بھی سوچ رہے ہیں جو وہ انہیں ورثے میں دیں گے۔

پاپولیشن ایوارڈ کے حقدار

اقوام متحدہ کے پاپولیشن ایوارڈ کی کمیٹی ہر سال ایک فرد اور ادارے کو آبادی اور تولیدی صحت سے متعلق مسائل کا حل پیش کرنے پر اعزاز سے نوازتی ہے۔ امسال اس دن پر یہ اعزاز خواتین کو با اختیار بنانے اور آبادیاتی نمو کی راہ میں حائل بڑے مسائل سے نمٹنے کے لیے کام کرنے والوں کو دیا گیا ہے۔ رواں برس انفرادی درجے میں یہ اعزاز انڈیا کی ورشان دیلش پانڈے کو ملا ہے جنہوں نے دلت مہیلا وکاس منڈل کی بنیاد رکھی اور اس پلیٹ فارم کے ذریعے نچلی سطح پر خواتین کو با اختیار بنانیکے لیے کام کیا ہے۔ وہ خواتین کو ہنر کی تربیت دینے، انہیں اہم ذرائع اور خدمات سے جوڑنے اور ان کی مالیاتی خودمختاری کو تقویت دینے کے لیے کوشاں ہیں۔ ادارہ جاتی درجے میں یہ اعزاز آبادی کے سائنسی مطالعہ کی بین الاقوامی انجمن (آئی یو ایس ایس پی) نے حاصل کیا جس نے آبادیاتی سائنس اور پالیسی کو فروغ دینے اور ایشیا، افریقہ اور لاطینی امریکہ میں علاقائی آبادیاتی تنظیمیں قائم کرنے میں اہم کردار ادا کیا ہے۔

(بشکریہ یو این خبرنامہ)

حبس بے جا سے رہائی

عمرکوٹ 30 جولائی کو سیشن کورٹ عمرکوٹ کے حکم پر سول جج کنری ون جتہ سورج نے پولیس تھانہ کنری پر چھاپہ مار کر حبس بیجا میں رکھے گئے نوجوان کانجی بھیل کو بازیاب کر یا۔ مذکورہ نوجوان کی ماں ماروی بھیل نے سیشن کورٹ عمرکوٹ میں نوجوان بیٹے کی بازیابی کے لئے درخواست دائر کی تھی۔ درخواست میں مؤقف اختیار کیا تھا کہ کنری پولیس نے بیٹے کو ناحق قید کر رکھا ہے جس پر سیشن جج عمرکوٹ نے سول جج کنری کو نوجوان کی بازیابی کا حکم دیا۔ نوجوان کی ناحق قید بابت پولیس نے جج کو بتایا کہ نوجوان پر چوری واقعے کی NC درج ہے۔ تاہم، عدالت پولیس کی طرف سے پیش کئے گئے رکارڈ سے مطمئن نہ ہوئی اور نوجوان کانجی بھیل کا میڈیکل چیک اپ کرانے حکم دیتے ہوئے سماعت ملتوی کر دی۔ (نامہ نگار)

تعلیم

انٹرنیٹ کی سہولت دی جائے

نوشکی میر گل خان نصیر پبلک لائبریری نوشکی میں علم سانت کا مرکز تصور کیا جاتا ہے جس میں طلباء طالبات اور نوجوان کمپیوٹر سے مختلف کورسز کر رہے ہیں۔ دیگر نوجوان اپنے مطالعہ کے لیے کتب بینی کرتے ہیں جس سے انھیں مختلف محکمانہ امتحانات کی تیاری میں مدد ملتی ہے اور نوجوانوں میں مثبت سوچ فروغ پاتا ہے جو ہمارے روشن اور خوشحال مستقبل کی نوید ہے لیکن لائبریری میں نیٹ کی سہولت نہ ہونے کی وجہ سے طلباء طالبات اور اسڈی کرنے والے نوجوانوں کو مشکلات اور دشواریوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ نوشکی کے علم ادب دوست سماجی عوامی حلقوں نے صوبائی حکومت ایم پی اے حاجی میر غلام دستگیر بادینی کمشنر رخشان ڈویژن کمانڈنٹ نوشکی ملشیا کرنل افضال مالک اور ڈپٹی کمشنر نوشکی محمد حسین ہزارہ کی توجہ اس مسلئہ کی جانب مبذول کراتے ہوئے مطالبہ کیا ہے نوشکی میں میر گل خان نصیر پبلک لائبریری میں ترجیحی بنیادوں پر پی ٹی سی ایل نیٹ ورک کی فراہمی عمل میں لانے کے لیے اقدامات کیے جائیں تا کہ لائبریری میں طلباء طالبات اور نوجوانوں کو بہتر سہولیات میسر ہو جس سے طلباء طالبات اور نوجوانوں کے شوق میں مزید اضافہ اور طلباء طالبات اور نوجوان لائبریری میں آنے کے راغب ہوں گے۔ 21 ویں صدی میں انٹرنیٹ زندگی کی ایک انتہائی اہم ضرورت بن چکی ہے جس کے بغیر زندگی ادھوری محسوس ہوتی ہے۔ حکومت نے بلوچستان بھر میں سیکورٹی خدشات کو جواز بنا کر ایک ماہ کے لیے انٹرنیٹ سروس معطل کر کے بلوچستان کے عوام کو مزید مشکلات مصائب اور وقت کے ضیاع سے دوچار کر دیا ہے۔ بلوچستان کے ہزاروں طلباء و طالبات آن لائن کلاسز لے رہے ہیں۔ انٹرنیٹ سروس معطل ہونے کی وجہ سے انکی تعلیم بری طرح متاثر ہو رہی ہے۔ مختلف کالجوں، یونیورسٹی اور دیگر تعلیمی اداروں میں آن لائن داخلے جاری ہیں۔ انٹرنیٹ کی بندش سے ہزاروں طلباء اور طالبات داخلوں سے محروم ہو سکتے ہیں۔ اسی طرح تاجر برادری تعلیمی اداروں ہسپتالوں اور دفاتروں میں انٹرنیٹ سروس کی بندش سے عوام کو مشکلات دشواریوں اور وقت کے ضیاع کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے۔ بلوچستان کے عوام کے کروڑوں روپے پیکجز کی مد میں انٹرنیٹ سروس معطل ہونے کی وجہ سے ضائع ہو گئے۔ انٹرنیٹ سروس معطل ہونے کی وجہ سے بلوچستان کے لاکھوں باشندے مشکلات اور مصائب سے دوچار ہو گئے ہیں اور بلوچستان کی پسماندگی میں مزید اضافہ ہوگا۔ بلوچستان میں گزشتہ 6 ماہ سے شام چھ بجے کے بعد سفر کی سہولیات پر پابندی سے بلوچستان کے عوام مشکلات سے دوچار ہو رہے ہیں۔ ٹرانسپورٹ کی بندش سے ٹرانسپورٹر مسافروں کو مشکلات دشواریوں مالی مصائب اور وقت کے ضیاع سے دوچار ہونا پڑتا ہے۔ اس طرح کی پابندیاں انسانی حقوق کے خلاف ورزیوں کے زمرے میں آتی ہیں۔ بلوچستان کے عوام کے مشکلات دشواریوں مالی مصائب اور وقت کے ضیاع کو مدنظر رکھتے ہوئے فوری طور پر شام چھ بجے کے بعد سفر پر لگائی گئی پابندی ختم کر دی جائے۔ (محمد سعید)

اسامیاں خالی ہیں

نوشکی حکومت بلوچستان میں تعلیم کے فروغ کے لیے بلند بانگ دعوے کرتے ہوئے نہیں تھکتی لیکن دوسری جانب صورت حال بالکل مختلف ہے صوبائی دارالحکومت کے قریبی ضلع نوشکی کے سب سے بڑے تعلیمی ادارے ڈگری کالج نوشکی میں 74 پروفیسروں اور لیکچرز کے آسیامیوں میں سے 50 اساتذہ کی آسامیاں برسوں سے خالی ہے۔ ڈگری کالج میں 670 طلباء زیر تعلیم ہیں بی ایس کی کلاسیں بھی چل رہی ہے ڈگری کالج نوشکی میں 50 اساتذہ کی آسامیاں خالی ہونے کی وجہ سے 670 طلباء کا مستقبل داؤ پر لگا ہوا ہے جو نوشکی کے طلباء کے ساتھ ظلم زیادتی اور ناانصافی کے مترادف ہے گزشتہ کئی سالوں سے نوشکی ڈگری کالج سے ہزاروں طلباء فارغ التحصیل ہوئے ہیں لیکن متعلقہ مضامین کے اساتذہ کی آسامیاں خالی ہونے کی وجہ سے ہزاروں طلباء مزکورہ مضامین میں عبور حاصل نہ کر سکیں جس کی وجہ سے انھیں مسقبل میں اعلی تعلیم کے حصول میں مشکلات سے دوچار ہونا پڑے گا پی ٹی سی ایل کیبل لائن چوری ہونے کی وجہ سے گزشتہ کئی عرصہ سے کالج میں نیٹ ورک نہ ہونے کی وجہ سے کالج کے دفتری امور اور طلباء کو درس تدریس کے سلسلے میں انتہائی مشکلات دشواریوں اور وقت کے ضیاع سے دوچار ہونا پڑ رہا ہے سات سال قبل رخشان ڈویژن کا قیام عمل میں لایا گیا لیکن سات سال کا طویل عرصہ گزرنے کے باوجود بھی پبلک سروس کمیشن میں رخشان ڈویژن کے کالجز کے لیے اساتذہ کا کوٹہ مختص نہ کرنا سوالیہ نشان ہے کوئیٹہ کے کالجز میں اساتذہ سرپلس ہیں لیکن ڈگری کالج نوشکی میں برسوں سے 50 پروفیسروں اور لیکچرز کی آسامیاں خالی ہیں کالجز میں اساتذہ کی تقرریوں کے لیے صوبائی حکومت وزیر تعلیم اور منتخب عوامی نمائندوں کو بھی اپنا کردار ادا کرنے کی ضرورت ہے تعلیم کے شعبے میں کسی قسم کمپرومائز کی گنجائش نہیں ہونی چاہیئے کیونکہ ہمارے نوجوان نسل کا روشن اور خوشحال مستقبل تعلیم سے وابستہ ہے۔ خیبر ضلع باڑہ تھانہ کے SHO نے ایک عزت دار استاد، کمپیوٹر سائنس لیکچرر (17-BPS) ابرار حسین ولد مصری خان پر وحشیانہ تشدد کیا۔ یہ افسوسناک اور شرمناک واقعہ 2-10-2024 کو اُس وقت پیش آیا جب ابرار حسین اپنے گھر کے سامنے کھڑے تھے۔ پولیس نے بغیر کسی جرم کے اُنہیں گرفتار کیا، گالیاں دیں اور تھانے لے جا کر بدترین تشدد کا نشانہ بنایا۔ SHO نے ریاستی اختیارات کا ناجائز استعمال کرتے ہوئے نہ صرف ایک استاد کی عزت مجروح کی بلکہ اُسے جسمانی طور پر بھی شدید زخمی کر دیا۔ ابراز حسین کو شدید تشدد کے بعد اسپتال منتقل کیا گیا، جہاں North West Hospital کے ڈاکٹرز اور MRI رپورٹس نے پولیس تشدد کی تصدیق کر دی۔ سوچنے کی بات یہ ہے کہ ایک استاد، جو قوم کے بچوں کو علم و شعور کی روشنی دیتا ہے، جب خود پولیس کے ظلم سے محفوظ نہیں تو ایک عام شہری کی زندگی اور عزت کا کیا حال ہوگا؟ یہ واقعہ کسی ایک شخص کے ساتھ زیادتی نہیں بلکہ پورے پشتونخوا کے عوام کی اجتماعی توہین ہے۔ یہاں چند بنیادی سوالات اٹھتے ہیں۔ کیا ایک استاد کی عزت پولیس کے رحم و کرم پر ہے؟ جب ڈاکٹرز کی رپورٹس واضح طور پر تشدد ثابت کرتی ہیں تو SHO ابھی تک عہدے پر کیوں موجود ہے؟ کیا پولیس کا کام عوام کی حفاظت ہے یا اُنہیں ذلیل و خوار کرنا؟ کیا یہ آئین اور قانون کے تحت انسانی حقوق کی کھلی خلاف ورزی نہیں ہے؟ ہم واضح طور پر مطالبہ کرتے ہیں کہ باڑہ تھانہ کے SHO کے خلاف فوری طور پر ایف آئی آر درج کی جائے، اُسے عہدے سے معطل کیا جائے اور واقعے کی عدالتی انکوائری کرائی جائے تاکہ شفاف تحقیقات ممکن ہو سکیں۔ ابراز حسین کو فوری قانونی اور طبی معاوضہ دیا جائے اور پولیس کے اداروں میں بنیادی اصلاحات لائی جائیں تاکہ مستقبل میں کوئی شہری دوبارہ اس طرح کے ظلم کا شکار نہ ہو۔ پشتون تحفظ موومنٹ اس واقعے کی شدید مذمت کرتی ہے اور تمام عوام سے اپیل کرتی ہے کہ ظلم و جبر کے خلاف آواز بلند کریں۔ یہ صرف ابراز حسین کا کیس نہیں بلکہ ہر اُس شہری کی لڑائی ہے جس کا عزت و وقار ریاستی اداروں کے ہاتھوں پامال ہو رہا ہے۔ انصاف ہمارا بنیادی حق ہے اور PTM اس حق کے لیے اپنی جدوجہد ہر حال میں جاری رکھے گی۔ (محمد سعید)

صحت

دنیا کا ہر چوتھا فرد پینے کے صاف پانی تک رسائی سے محروم، یو این ادارے



عالمی ادارہ صحت (ڈبلیو ایچ او) نے بتایا ہے کہ دنیا بھر میں اربوں لوگ پینے کے صاف پانی، نکاسی آب اور صحت وصفائی کی سہولیات سے محروم ہیں جنہیں بیماریاں لاحق ہونے اور سماجی اخراج جیسے خطروں کا سامنا رہتا ہے۔ عالمی ہفتہ آب کے موقع پر 'ڈبلیو ایچ او' کی جانب سے گھریلو سطح پر پینے کے پانی کی دستیابی اور نکاسی آب کی صورتحال میں بہتری سے متعلق گزشتہ 24 سال کی جائزہ رپورٹ میں بتایا گیا ہے کہ دنیا میں سبھی کو ان سہولتوں تک یکساں رسائی حاصل نہیں ہے۔ کم آمدنی والے، نازک حالات سے دوچار اور دیہی علاقوں میں رہنے والے لوگوں، بچوں، اقلیتی، نسلی اور قدیمی مقامی لوگوں کو اس معاملے میں شدید مشکلات کا سامنا ہے۔ اگرچہ 2000ء کے بعد حالات میں بہتری بھی آئی ہے لیکن بہت سے مسائل اب بھی باقی ہیں۔ 'ڈبلیو ایچ او' میں مصنوعی ذہانت، ماحولیات، موسمیاتی تبدیلی اور صحت کے شعبے کے قائم مقام ڈائریکٹر ڈاکٹر روڈیگر کریچ نے کہا ہے کہ پانی، نکاسی آب اور حفظانِ صحت مراعات نہیں بلکہ بنیادی انسانی حقوق ہیں۔ پائیدار ترقی کے اہداف (ایس ڈی جی) کو حاصل کرنے کے لیے ان سہولیات کی فراہمی عام کرنے کے اقدامات تیز کرنا ہوں گے۔

10 اہم حقائق

- 2015 کے بعد پانی کی فراہمی، نکاسی آب اور صحت وصفائی کی صورتحال میں بہتری آنے کے باوجود اب بھی دنیا کی ایک چوتھائی آبادی یا 2.1 ارب لوگوں کو صاف پانی تک رسائی نہیں ہے۔ ان میں 106 ملین لوگ آلودہ ارضی ذرائع سے پانی پیتے ہیں۔
- 3.4 ارب لوگوں کو نکاسی آب کی محفوظ سہولیات دستیاب نہیں جن میں 354 ملین لوگ بیت الخلا سے محروم ہیں۔
- 1.7 ارب لوگوں کو گھروں پر صحت وصفائی کی بنیادی سہولیات میسر نہیں ہیں جن میں 611 ملین کو ایسی کسی بھی سہولت تک رسائی نہیں۔
- کم ترین ترقی یافتہ ممالک میں لوگوں کو پینے کے پانی اور نکاسی آب کی سہولیات کے فقدان کا خدشہ دیگر کے مقابلے میں دوگنا اور صحت وصفائی کی سہولتوں سے محروم رہنے کا خدشہ تین گنا زیادہ ہوتا ہے۔
- غریب اور تنازعات کا شکار ممالک یا علاقوں میں پینے کے صاف پانی تک رسائی کی شرح دیگر کے مقابلے میں 38 فیصد زیادہ ہے۔
- اگرچہ دیہی علاقوں میں لوگوں کے لیے ان سہولیات کی فراہمی میں قدرے مثبت پیش رفت دیکھی گئی ہے لیکن مسائل کا مکمل خاتمہ نہیں ہو سکا۔ 2015 سے 2024 کے درمیان ان علاقوں میں پینے کے صاف پانی تک رسائی رکھنے والے لوگوں کی شرح 50 فیصد سے بڑھ کر 60 فیصد تک جا پہنچی تھی جبکہ بنیادی نوعیت کی صحت وصفائی کی سہولتوں تک رسائی 52 فیصد سے بڑھ کر 71 فیصد ہو گئی۔ اس عرصہ کے دوران شہری علاقوں میں پینے کے صاف پانی اور صحت وصفائی کی سہولیات تک رسائی کی شرح میں کوئی اضافہ نہیں ہوا۔
- 70 ممالک سے حاصل کردہ معلومات سے اندازہ ہوتا ہے کہ اگرچہ بیشتر خواتین اور بالغ لڑکیوں کے پاس ایام ماہواری میں صحت وصفائی کا سامان اور اسے تبدیل کرنے کے لیے درکار جگہ بھی موجود ہوتی ہے لیکن بہت سی ایسی بھی ہیں جن کے پاس یہ سہولتیں حسب ضرورت نہیں ہوتیں۔
- 15 تا 19 سال عمر کی بالغ لڑکیوں کے پاس ایام ماہواری کے دوران سکول جانے، کام کرنے یا سماجی سرگرمیوں میں شرکت کے مواقع قدرے بڑی عمر کی خواتین کے مقابلے میں کم ہوتے ہیں۔
- بیشتر ممالک میں پانی بھرنا بنیادی طور پر خواتین اور لڑکیوں کی ذمہ داری ہوتی ہے۔ مشکل حالات کے باعث ذیلی صحارا افریقہ اور وسطی وجنوبی ایشیا میں پانی لانے والی خواتین اور لڑکیاں اس سرگرمی پر دیگر کے مقابلے میں 30 منٹ زیادہ صرف کرتی ہیں۔
- 2030 تک تمام لوگوں کو گھروں میں بیت الخلا کی سہولت فراہم کرنے اور پینے کے صاف پانی، نکاسی آب اور حفظان صحت کی خدمات تک رسائی کے اہداف حاصل کرنے کے لیے پیش رفت کو تیز کرنا ضروری ہے جبکہ محفوظ طریقے سے منظم خدمات کی فراہمی کے ہدف کا حصول روز بروز مشکل ہوتا جا رہا ہے۔

تیز رفتار اقدامات کی ضرورت

عالمی ادارہ برائے اطفال (یونیسف) میں فراہمی ونکاسی آب اور صحت وصفائی کے پروگرام (واش) کی ڈائریکٹر سیسیلا شارپ نے کہا ہے کہ جب بچوں کو محفوظ پانی، نکاسی آب اور حفظانِ صحت تک رسائی نہیں ہوتی، تو ان کی صحت، تعلیم اور مستقبل خطرے میں پڑ جاتے ہیں۔ اس معاملے میں عدم مساوات لڑکیوں کے لیے زیادہ نمایاں ہے جو عموماً پانی لانے کی ذمہ داری اٹھاتی ہیں اور ایام ماہواری میں اس کام کے دوران اضافی رکاوٹوں کا سامنا کرتی ہیں۔ موجودہ رفتار سے اٹھائے گئے اقدامات سے ہر بچے کو پینے کے صاف پانی، نکاسی آب اور صحت وصفائی کی سہولیات یقینی طور پر فراہم کرنے کا ہدف حاصل نہیں ہوگا بلکہ اس کے لیے تیز تر اور جرات مندانہ اقدامات کرنا ہوں گے۔

(بشکریہ یو این خبر نامہ)

عورتیں

نابالغ بچی کی شادی اور پولیس کارروائی

عمرکوٹ 8 اگست کو وومین پولیس تھانہ عمرکوٹ کی پولیس نے چھوٹی عمر میں نابالغ بچی کی مبینا طور پر زبردستی شادی کرانے کی اطلاع پر، تحصیل عمرکوٹ کے علاقے ڈھورونارو شہر کے قریب گوٹھ احمد علی پلی میں چھاپہ مار کر معصوم بچی سھاگی بنت احمد پلی کو تحویل میں لیکر عمرکوٹ کی عدالت میں پیش کیا۔ بچی نے عدالت میں پیشی سے پہلے، عدالت سے باہر الزام لگاتے ہوئے میڈیا اور انسانی حقوق کے کارکنوں کو کہا کہ میرے والد نے لالچ میں آ کر تقریبن ایک ہفتہ قبل میری زبردستی شادی بڑی عمر کے شخص دودو پلی سے کروائی ہے جو کہ مجھے قبول نہیں ہے۔ عدالت نے بچی کا بیان قلمبند کرتے ہوئے والدین سے تحریری طور پر ضمانت لی کہ بچی کی شادی اس کی مرضی کے مطابق ہی کروائی جائے گی۔ ایسا ضمانتی بیان والدین سے تحریری طور پر لینے کے بعد عدالتی حکم پر پولیس نے متاثرہ بچی کو والدین کے حوالے کر دیا۔ مزید کوئی قانونی کارروائی نہیں کی گئی۔

(نامہ نگار)

غیرت کے تصور نے ایک اور جان لے لی

تورغر 29 اگست کی رات بارہ بجے کے قریب تحصیل جدبا، یونین کونسل ہرنیل، وی سی گیٹو، گاؤں زندگیا (قوم بسی خیل) میں ایک افسوسناک واقعہ پیش آیا۔ ابتدائی معلومات کے مطابق ایک خاتون علیزہ بی بی زوجہ احمد زرسکنہ لاہور اور ایک نوجوان لڑکا جس کا تعلق ضلع بٹگرام، تحصیل الائی سے بتایا جا رہا ہے) کو ان کے قریبی رشتہ دار نے فائرنگ کر کے قتل کر دیا۔ علیزہ بی بی کچھ روز قبل لاہور سے تورغر آئی تھیں اور ایک شادی کی تقریب میں شریک تھیں۔ واقعہ اس وقت پیش آیا جب مقتولہ نے مبینہ طور پر مذکورہ لڑکے کو فون پر بلا کر ملاقات کی، اور انہیں کھیتوں میں علیزہ کے دیور نے دیکھ لیا۔ فائرنگ کے نتیجے میں دونوں موقع پر جاں بحق ہو گئے۔ مقتولہ کا شوہر احمد زر اس وقت لاہور میں موجود ہے، جبکہ علیزہ بی بی کے تین بچے بھی ہیں۔ پولیس تھانہ جدبا نے فوری طور پر موقع پر پہنچ کر دونوں لاشوں کو تحویل میں لے لیا۔ ملزم واردات کے بعد موقع سے فرار ہو گیا ہے۔ مزید تحقیقات جاری ہیں۔

(زاہد خان)

بچے

بچوں کی مار پیٹ کا ہمیشہ کے لیے خاتمہ ہو جانا چاہیے، ڈبلیو ایچ او

------ عالمی ادارہ صحت (ڈبلیو ایچ او) نے بتایا ہے کہ دنیا بھر میں 18 سال سے کم عمر کے نصف سے زیادہ بچوں کو جسمانی سزا کا سامنا کرنا پڑتا ہے جس سے ان پر ذہنی، سماجی اور جذباتی اعتبار سے دوررس منفی اثرات مرتب ہوتے ہیں۔ ادارے کی جاری کردہ نئی رپورٹ میں بتایا گیا ہے کہ یہ بچے عام طور پر والدین، اپنی دیکھ بھال کرنے والوں اور اساتذہ کی جانب سے مار پیٹ کا نشانہ بنتے ہیں۔ ایسی سزائیں زیادہ تر گھروں اور سکولوں میں دی جاتی ہیں جس سے بچوں کی دماغی نشوونما متاثر ہوتی ہے۔ 'ڈبلیو ایچ او' میں شعبہ عوامل صحت کی ڈائریکٹر ایٹینی کروگ نے بتایا ہے کہ جسمانی سزا سے بچوں کے رویے، ترقی یا بہبود پر کوئی مثبت اثر نہیں ہوتا اور نہ ہی اس سے والدین یا معاشروں کو کسی طرح کا کوئی فائدہ پہنچتا ہے۔

ان کا کہنا ہے کہ گزشتہ کئی دہائیوں میں بہت سے تحقیقی جائزوں سے ثابت ہوا ہے کہ جسمانی سزا کے بچوں کی صحت پر انفرادی اور معاشرے پر مجموعی طور پر دیرپا منفی اثرات مرتب ہوتے ہیں۔ ایسے واضح سائنسی شواہد موجود ہیں کہ جسمانی سزا بچوں کی صحت کے لیے کئی طرح کے خطرات کا باعث بنتی ہے۔

جسمانی سزا کے نقصانات

کم اور متوسط آمدنی والے 49 ممالک میں لیے گئے جائزے سے معلوم ہوا ہے کہ جسمانی سزا کا سامنا کرنے والے بچوں کے اپنے ہم عمر ساتھیوں کے مقابلے میں آگے بڑھنے کے امکانات 24 فیصد کم ہوتے ہیں۔ یہ سزا بچوں کو نہ صرف فوری جسمانی نقصان پہنچاتی ہے بلکہ ان میں ہارمونی دباؤ کو بھی بڑھا دیتی ہے جس سے ان کے دماغ کی ساخت اور کارکردگی میں تبدیلی آ جاتی ہے اور یہ اثرات زندگی بھر قائم رہ سکتے ہیں۔ معاشرتی نقطہ نظر سے دیکھا جائے تو جسمانی سزا کا سامنا کرنے والے بچے بڑے ہو کر اپنے ہی بچوں کے ساتھ یہی رویہ اپناتے ہیں جس سے تشدد کا نسل در نسل سلسلہ قائم ہو جاتا ہے۔ اس طرح، بچپن میں جسمانی سزا سہنے والے بالغ افراد میں پرتشدد، مجرمانہ اور جارحانہ رویہ پیدا ہونے کے امکانات بھی زیادہ ہوتے ہیں۔ اس بات کا کوئی ثبوت نہیں کہ جسمانی سزا سے بچوں کی اصلاح ہوتی ہے۔

علاقائی فرق

اگرچہ جسمانی سزا دنیا بھر میں رائج ہے تاہم علاقائی حوالے سے اس کے اطلاق میں فرق پایا جاتا ہے۔ مثال کے طور پر، یورپ اور وسطی ایشیا میں تقریباً 41 فیصد بچوں کو گھروں میں جسمانی سزا دی جاتی ہے جبکہ مشرق وسطیٰ اور شمالی افریقہ میں یہ شرح 75 فیصد تک ہے۔ سکولوں میں جسمانی سزاؤں کو دیکھا جائے تو یہ فرق اور بھی نمایاں ہے۔ مغربی بحرالکاہل کے صرف 25 فیصد بچے تعلیمی دور میں جسمانی سزا کا سامنا کرتے ہیں جبکہ افریقہ اور وسطی امریکہ میں یہ شرح 70 فیصد سے زیادہ ہے۔ لڑکیوں اور لڑکوں کو جسمانی سزا دیے جانے کے امکانات تقریباً ایک جیسے ہوتے ہیں تاہم اس کے اسباب مختلف ہو سکتے ہیں۔ جسمانی معذور بچوں کے ایسی سزاؤں کا نشانہ بننے کا خدشہ زیادہ ہوتا ہے۔ علاوہ ازیں، غربت، معاشی مسائل یا نسلی امتیاز کا شکار لوگوں کے بچوں کو جسمانی سزا دیے جانے کا امکان بھی زیادہ ہوتا ہے۔

آگاہی مہمات کی ضرورت

رپورٹ میں بتایا گیا ہے کہ جسمانی سزا پر پابندی عائد کرنا ضروری ہے لیکن یہی کافی نہیں۔ جائزوں سے ثابت ہوتا ہے کہ قانونی پابندیوں سے جسمانی سزا کی شرح میں کوئی کمی نہیں آتی۔ اس وقت 67 ممالک نے گھروں اور سکولوں میں بچوں کو جسمانی سزا دینے پر پابندی عائد کر رکھی ہے۔ 'ڈبلیو ایچ او' اس ممانعت کے بہتر طور سے اطلاق کے علاوہ آگاہی مہمات کے ذریعے اس سزا کے نقصانات کو اجاگر کرنے پر بھی زور دے رہا ہے۔ رپورٹ میں کہا گیا ہے کہ جسمانی سزا کے مسلسل استعمال اور اس کی ضرورت پر عام یقین کے باوجود اس کی ممانعت سے متعلق قوانین بنانے اور ان پر عملدرآمد کی کوششوں کے ساتھ آگاہی مہمات بھی چلائی جانا چاہئیں۔ ایٹینی کروگ نے کہا ہے کہ اگر والدین کو جسمانی سزاؤں کے مثبت متبادل کا علم ہو تو وہ انہیں ضروری اپنائیں گے۔ اب اس نقصان دہ عمل کا خاتمہ کرنے کی ضرورت ہے تاکہ بچے ترقی پائیں اور اپنی پوری صلاحیتوں سے کام لینے کے قابل ہوں۔

(بشکریہ یو این خبر نامہ)

ایچ آر سی پی شکایات سیل

ایچ آر سی پی شکایات سیل نے 1985ء میں کام شروع کیا جب کسی بھی سرکاری یا غیر سرکاری ادارے میں ایسا مخصوص سیل موجود نہیں تھا جو مظلوم لوگوں کی شکایات وصول کرتا ہو۔ اس وقت سے، ایچ آر سی پی پاکستان بھر میں انسانی حقوق کی خلاف ورزیوں کے ازالے کے لئے جدوجہد میں مصروف ہے۔

ایچ آر سی پی شکایت سیل کو ماہانہ سینکڑوں شکایات موصول ہوتی ہیں۔ ہم جونہی خواتین کے خلاف تشدد، محکمہ جاتی مسائل، اقلیتوں کے حقوق، جبری شادیوں، جبری تبدیلی مذہب، جبری گمشدگیوں، سائبر جرائم اور دیگر تمام انسانی حقوق کی خلاف ورزیوں سے متعلق شکایات وصول کرتے ہیں اور اس پر ایکشن لیتے ہیں۔ تاہم، مالی معاونت، سیاسی پناہ، جائیداد کے تنازعات یا ذاتی تنازعات سے متعلق شکایات ہمارے دائرہ کار سے باہر ہیں۔

طریقہ کار

جیسے ہی ہمیں شکایات موصول ہوتی ہیں ہم متعلقہ حکام سے رابطہ کرتے ہیں اور کیس پر کارروائی کا آغاز کردیتے ہیں۔ ہمارا بہت سے سرکاری اور غیر سرکاری اداروں کے ساتھ ایک براہ راست ریفرل نظام موجود ہے جس کا مقصد شکایت کے فوری ازالے کو یقینی بنانا ہے۔

ہم سے رابطہ کریں

اگر آپ نے کوئی شکایت درج کرانی ہے تو ہمیں کال کرسکتے ہیں، واٹس ایپ کرسکتے ہیں، ای میل بھیج سکتے ہیں یا خط ارسال کرسکتے ہیں۔
آپ اپنے قریبی ایچ آر سی پی شکایات ڈیسک میں بذات خود جا کر شکایت رجسٹر کرواسکتے ہیں اور کمپلینٹ آفیسر سے بذات خود بات کرسکتے ہیں۔

لاہور	کراچی	پشاور
ایوان جمہور۔ 107 ٹیپو بلاک، نیو گارڈن ٹاؤن، لاہور 54600 فون : 5969 3586 ,8341 3583 ,4994 3586 42 92+ ای میل : hrcp@hrcp-web.org ویب سائیٹ : www.hrcp-web.org مرکز شکایات سیل فون : 5969 3584 042 92+ موبائل: 4884 341 0321 92+ ای میل: complaints@hrcp-web.org	یونٹ نمبر 08، فلور 1 سٹیٹ لائف بلڈنگ نمبر 5 (الاکو ہاؤس) عبداللہ ہارون روڈ صدر، کراچی۔ 74400 فون : 7132 3563 ,7131 3563 21 92+ شکایات سیل (موبائل) : 6287 111 315 92+ ای میل : karachi@hrcp-web.org	43 گلشن اقبال لین (نزد اراباب روڈ شاپ) یونیورسٹی روڈ، پشاور فون : 4253 584 091 92+ شکایات سیل (موبائل) : 0640 950 0318 92+ ای میل : peshawar@hrcp-web.org

اسلام آباد	کوئٹہ	حیدر آباد
آفس B-1، فلور 2 بلاک ڈی-12، (اوپر فیصل بینک) جی 8، مرکز، اسلام آباد فون : 1127 835 51 92+ شکایات سیل (موبائل) : 4773 569 333 92+ ای میل : islamabad@hrcp-web.org	فلیٹ نمبر C-6 کبیر بلڈنگ ایم۔اے جناح روڈ، کوئٹہ فون : 7869 282 81 92+ شکایات سیل (موبائل) 6125 294 306 92+ ای میل : quetta@hrcp-web.org	306- فائزہ آرکیڈ، (لوفٹ اینڈ میزانائن فلور) نزد مسجد حاجی شاہ بخاری درگاہ صدر کنٹونمنٹ، حیدر آباد فون : 770 720 ,3688 278 22 92+ فیکس : 4645 278 22 92+ شکایات سیل (موبائل) : 2222 339 310 92+ ای میل : hyderabad@hrcp-web.org

ملتان	گلگت	تربت/مکران
2511/5A ابدالی کالونی نزد بریٹین سکول ملتان فون : 7217 451 61 92+ شکایات سیل (موبائل) : 5529 665 331 92+ ای میل : multan@hrcp-web.org	آفس نمبر 8-9، رانگ یل پلازہ جماعت خانہ روڈ، ذوالفقار آباد کالونی، جتیال، گلگت موبائل : 5553 547 0344 92+ شکایات سیل (موبائل) : 1088 454 355 92+ ای میل : gilgit@hrcp-web.org	پرواز ہاؤس، بالمقابل علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی پسنی روڈ، تربت، کیچ فون : 365 413 852 92+ شکایات سیل (موبائل) : 2406 234 323 92+ ای میل : turbat@hrcp-web.org

Human Rights Commission of Pakistan

جہدِ حق

پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق جہدِ حق کے تمام قارئین کو آگاہ کرنا چاہتا ہے کہ یہ رسالہ مفت ہے۔ قارئین کو کسی قسم کی قیمت ادا کرنے کی ضرورت نہیں ہے

انسانی حقوق کا عالمی منشور

10 دسمبر 1948ء کو اقوام عالم نے انسانی حقوق کا مندرجہ ذیل عالمی منشور منظور کیا

دفعہ - 1: تمام انسان آزاد اور حقوق وعزت کے اعتبار سے برابر پیدا ہوئے ہیں۔ انھیں ضمیر اور عقل ودیعت ہوئی ہے۔ انہیں ایک دوسرے کے ساتھ بھائی چارے کا سلوک کرنا چاہیے۔

دفعہ -2: ہر شخص ان تمام آزادیوں اور حقوق کا مستحق ہے جو اس اعلان میں بیان کیے گئے ہیں اور اس حق پر نسل، رنگ، جنس، زبان، مذہب اور سیاسی تفریق کا یا کسی قسم کے عقیدے، قومیت، معاشرے، دولت یا خاندانی حیثیت وغیرہ کا کوئی اثر نہیں پڑے گا۔

اس کے علاوہ کسی بھی شخص کے ساتھ اس کے علاقے یا ملک کی، سیاسی، عملی یا بین الاقوامی حیثیت کی بناء پر کوئی امتیازی سلوک نہیں کیا جائے گا، خواہ وہ ملک یا علاقہ آزاد ہو یا تولیتی ہو یا غیر مختار ہو یا اقدار اعلیٰ کے لحاظ سے کسی اور بندش کا پابند ہو۔

دفعہ - 3: ہر شخص کو اپنی آزادی، زندگی اور تحفظ کا حق ہے۔

دفعہ - 4: کوئی شخص، غلام یا لونڈی بنا کر نہ رکھا جا سکے گا۔ غلامی اور بردہ فروشی، چاہے اس کی کوئی بھی شکل ہو، ممنوع ہوگی۔

دفعہ - 5: کسی شخص کو جسمانی اذیت، یا ظالمانہ انسانیت سوز، یا ذلت آمیز سزا نہیں دی جائے گی۔

دفعہ - 6: ہر شخص کا حق ہے کہ ہر جگہ اس کی قانونی حیثیت کو تسلیم کیا جائے۔

دفعہ - 7: قانون کی نظر میں سب برابر ہیں اور سب بغیر کسی تفریق کے قانون کے اندر امان پانے کے برابر کے حق دار ہیں۔ اس اعلان کی خلاف ورزی میں جو بھی تفریق کی جائے یا جس تفریق کی بھی ترغیب دی جائے، اس سے بچاؤ کے سب برابر کے حقدار ہیں۔

دفعہ - 8: ہر شخص کو ان افعال کے خلاف جو دستور یا قانون میں دیے ہوئے بنیادی حقوق کی نفی کرتے ہوں، با اختیار قومی عدالتوں سے موئثر طریقے سے چارہ جوئی کرنے کا حق ہے۔

دفعہ - 9: کسی شخص کو من مانے طور پر گرفتار، نظر بند، یا جلاوطن نہیں کیا جائے گا۔

دفعہ - 10: ہر شخص کو یکساں طور پر حق حاصل ہے کہ اس کے حقوق وفرائض کے تعین یا اس کے خلاف کسی عائد کردہ جرم کے فیصلے کے بارے میں اسے ایک آزاد اور غیر جانب دار عدالت میں کھلی اور منصفانہ سماعت کا موقع ملے۔

دفعہ - 11: (1) ایسے ہر شخص کو جس پر کوئی فوجداری الزام عاید کیا جائے، اس وقت تک بے گناہ شمار کیے جانے کا حق ہے جب تک کہ اس پر کھلی عدالت میں قانون کے مطابق جرم ثابت نہ ہو جائے اور اسے اپنی صفائی پیش کرنے کا پورا موقع اور تمام ضمانتیں نہ دی جا سکی ہوں۔

(2) کسی شخص کو کسی ایسے فعل یا فروگزاشت کی بناء پر جو ارتکاب کے وقت قومی یا بین الاقوامی قانون کے اندر تعزیری جرم شمار نہیں کیا جاتا تھا، کسی تعزیری جرم میں ماخوذ نہیں کیا جائے گا، اور نہ ہی اسے کوئی ایسی سزا دی جائے گی جو جرم کے ارتکاب کے وقت کی مقرر کردہ سزا سے زائد ہو۔

دفعہ - 12: کسی شخص کی نجی زندگی، خانگی زندگی، گھر بار، خط وکتابت میں من مانے طریقے پر مداخلت نہ کی جائے اور نہ ہی اس کی عزت اور نیک نامی پر حملے کیے جائیں گے۔ ہر شخص کو ایسے حملے یا مداخلت سے قانونی تحفظ کا حق ہے۔

دفعہ - 13: (1) ہر شخص کو اپنی ریاست کی حدود کے اندر نقل وحرکت کرنے اور کہیں بھی سکونت اختیار کرنے کی آزادی کا حق ہے۔

(2) ہر شخص کو اس بات کا حق حاصل ہے کہ وہ کسی ملک سے چلا جائے چاہے یہ ملک اس کا اپنا ہو اور اسی طرح اسے اپنے ملک میں واپس آجانے کا بھی حق ہے۔

دفعہ - 14: (1) ہر شخص کو عقیدے کی بنا پر ایذا رسانی سے بچنے کے لیے دوسرے ملکوں میں پناہ حاصل کرنے اور اس سے فائدہ اٹھانے کا حق ہے۔

(2) یہ حق ان عدالتی کاروائیوں سے بچنے کے لیے استعمال میں نہیں کیا جا سکتا جو خالصتاً غیر سیاسی جرائم یا ایسے افعال کی وجہ سے عمل میں آتی ہیں جو اقوام متحدہ کے مقاصد اور اصولوں کے خلاف ہیں۔

دفعہ - 15: (1) ہر شخص کو قومیت کا حق ہے۔

(2) کوئی شخص محض من مانے طور پر قومیت سے محروم نہیں کیا جائے گا اور نہ ہی اس کو اپنی قومیت تبدیل کرنے کا حق دینے سے انکار کیا جائے گا۔

دفعہ - 16: (1) بالغ مردوں اور عورتوں کو بغیر ایسی پابندی کے جو نسل، قومیت، یا مذہب کی بنا پر لگائی جائے شادی بیاہ کرنے اور گھر بسانے کا حق ہے۔ مردوں اور عورتوں کو نکاح، ازواجی زندگی اور نکاح کو فسخ کرنے کے معاملے میں برابر کے حقوق حاصل ہیں۔

(2) نکاح فریقین کی پوری آزادی اور رضامندی سے ہوگا۔

(3) خاندان، معاشرے کی فطری اور بنیادی اکائی ہے اور وہ معاشرے اور ریاست دونوں کی طرف سے حفاظت کا حقدار ہے۔

دفعہ - 17: (1) ہر انسان کو تنہا یا دوسروں سے مل کر جائیداد رکھنے کا حق ہے۔

(2) کسی شخص کو زبردستی اس کی جائیداد سے محروم نہیں کیا جائے گا۔

دفعہ - 18: ہر انسان کو آزادی فکر، آزادی ضمیر اور آزادی مذہب کا پورا حق ہے۔ اس حق میں مذہب اور عقیدے کو تبدیل کرنے اور اجتمائی یا انفرادی طور پر خاموشی یا کھلے بندوں اپنے عقیدے کی تبلیغ، اس پر عمل، اور اس کی عبادات اور رسومات پوری کرنے کی آزادی بھی شامل ہے۔

دفعہ - 19: ہر شخص کو اپنی رائے رکھنے اور اظہار رائے کی آزادی کا حق حاصل ہے۔ اس حق میں یہ امر بھی شامل ہے کہ وہ آزادی کے ساتھ اور بلا کسی قسم کی مداخلت کے اپنی رائے پر قائم رہے اور جس ذریعے سے چاہے اور ملکی سرحدوں کے حائل ہوئے بغیر معلومات اور خیالات کا حصول اور ان کی ترسیل کرے۔

دفعہ - 20: (1) ہر شخص کو پر امن طریقے سے ملنے جلنے اور انجمنیں قائم کرنے کی آزادی کا حق ہے۔

(2) کسی شخص کو کسی انجمن میں شامل ہونے پر مجبور نہیں کیا جا سکتا۔

دفعہ - 21: (ا) ہر شخص کو اپنے ملک کی حکومت میں براہ راست یا آزادانہ طور پر منتخب کیے ہوئے نمائندوں کے ذریعے حصہ لینے کا حق ہے۔

(2) ہر شخص کو اپنے ملک میں سرکاری ملازمت حاصل کرنے کا برابر کا حق ہے۔

(3) عوام کی مرضی حکومت کے اقتدار کی بنیاد ہوگی۔ یہ مرضی وقتاً فوقتاً ایسے حقیقی انتخابات کے ذریعے ظاہر کی جائے گی جو عام اور مساوی رائے دہندگی کی بنیاد پر ہوں گے اور جو خفیہ ووٹ یا اس کے مماثل کسی دوسرے آزادانہ طریقہ رائے دہندگی کے مطابق عمل میں آئیں گے۔

دفعہ - 22: معاشرے کے رکن کی حیثیت سے ہر شخص کو معاشرتی تحفظ کا حق حاصل ہے اور یہ حق بھی وہ ملک کے نظام اور وسائل کے مطابق قومی کوشش اور بین الاقوامی تعاون سے ایسے اقتصادی، معاشرتی اور ثقافتی حقوق کو عملاً حاصل کرے، جو اس کی عزت اور شخصیت کی آزادانہ نشوونما کے لیے لازم ہیں۔

دفعہ - 23: (1) ہر شخص کو کام کاج، روزگار کے آزادانہ انتخاب، کام کاج کی مناسب و معقول شرائط اور بے روزگاری کے خلاف تحفظ کا حق ہے۔

(2) ہر شخص کو کسی تفریق کے بغیر مساوی کام کے لیے مساوی معاوضے کا حق ہے۔

(3) ہر شخص جو کام کرتا ہے وہ ایسے مناسب و معقول مشاہرے کا حق رکھتا ہے جو خود اس کے اور اس کے اہل وعیال کے لیے باعزت زندگی کا ضامن ہو اور جس میں اگر ضروری ہو تو معاشرتی تحفظ کے دوسرے ذریعوں سے اضافہ کیا جا سکے۔

(4) ہر شخص کو اپنے مفاد کے بچاؤ کے لیے تجارتی انجمنیں، (ٹریڈ یونین) قائم کرنے اور اس میں شریک ہونے کا حق حاصل ہے۔

دفعہ - 24: ہر شخص کو آرام اور فرصت کا حق ہے جس میں کام کے گھنٹوں کی حد بندی اور تنخواہ کے ساتھ مقررہ وقفوں پر تعطیلات میں شامل ہیں۔

دفعہ - 25: (1) ہر شخص کو اپنی اور اپنے اہل وعیال کی صحت اور فلاح و بہبود کے لیے مناسب معیار زندگی کا حق ہے جس میں خوراک، پوشاک، مکان اور علاج کی سہولتیں اور دوسری ضروری معاشرتی مراعات، اور بیروزگاری، بیماری، معذوری، بیوگی، بڑھاپا اور ان حالات میں روزگار سے محرومی جو اس کے قبضہء قدرت سے باہر ہوں، کے خلاف تحفظ کا حق شامل ہے۔

(2) زچہ اور بچہ خاص توجہ اور امداد کے حق دار ہیں۔ تمام بچے خواہ وہ شادی کے بغیر پیدا ہوئے ہوں یا شادی کے بعد، معاشرتی تحفظ سے یکساں طور پر مستفید ہوں گے۔

دفعہ - 26: (1) ہر شخص کو تعلیم کا حق ہے۔ تعلیم کم سے کم ابتدائی اور بنیادی درجوں میں مفت ہوگی۔ ابتدائی تعلیم لازمی ہوگی۔ فنی اور پیشہ ورانہ تعلیم حاصل کرنے کا عام انتظام کیا جائے گا اور لیاقت کی بنا پر اعلیٰ تعلیم حاصل کرنا سب کے لیے مساوی طور پر ممکن ہوگا۔

(2) تعلیم کا مقصد انسانی شخصیت کی پوری نشوونما ہوگا اور وہ انسانی حقوق اور بنیادی آزادیوں کے احترام میں اضافہ کرنے کا ذریعہ ہوگی۔ وہ تمام قوموں اور نسلی یا مذہبی گروہوں کے درمیان باہمی مفاہمت، رواداری اور دوستی کو ترقی دے گی اور امن کو برقرار رکھنے کے لیے اقوام متحدہ کی سرگرمیوں کو آگے بڑھائے گی۔

(3) والدین کو اس بات کے تصفیہ کا اولین حق ہے کہ ان کے بچوں کو کس قسم کی تعلیم دی جائے گی۔

دفعہ - 27: (1) ہر شخص کو قوم کی ثقافتی زندگی میں آزادانہ حصہ لینے، فنون لطیفہ سے مستفید ہونے اور سائنس کی ترقی اور اس کے فوائد میں شرکت کا حق حاصل ہے۔

(2) ہر شخص کو حق حاصل ہے کہ اس کے ان اخلاقی اور مادی مفادات کا تحفظ کیا جائے جو اسے ایسی سائنسی، فنی یا ادبی تصنیف سے، جس کا وہ مصنف ہے، حاصل ہوتے ہیں۔

دفعہ - 28: ہر شخص ایسے معاشرتی اور بین الاقوامی نظام کا حقدار ہے جس میں وہ تمام آزادیاں اور حقوق حاصل ہو سکیں جو اس اعلان میں شامل ہیں۔

دفعہ - 29: (1) ہر شخص پر معاشرے کے حق ہیں کیونکہ معاشرے میں رہ کر اس کی شخصیت کی آزادانہ اور پوری نشوونما ممکن ہے۔

(2) اپنی آزادیوں اور حقوق سے فائدہ اٹھانے میں ہر شخص صرف ایسی حدود کا پابند ہوگا جو دوسروں کی آزادیوں اور حقوق کو تسلیم کرانے اور ان کا احترام کرانے کی غرض سے اور ایک جمہوری نظام میں اخلاق، امن عامہ اور عام فلاح و بہبود کے مناسب لوازمات کو پورا کرنے کے لیے قانون کی طرف سے عائد کی گئی ہوں۔

(3) یہ حقوق اور آزادیاں کسی حالت میں بھی اقوام متحدہ کے مقاصد اور اصولوں کے خلاف عمل میں نہیں لائی جا سکتیں۔

دفعہ - 30: اس اعلان کی کسی چیز سے کوئی ایسی بات مراد نہیں لی جا سکتی جس سے کسی ملک، گروہ یا شخص کو کسی ایسی سرگرمی میں مصروف ہونے یا کسی ایسے کام کو انجام دینے کا حق پیدا ہو جس کا منشا ان حقوق اور آزادیوں کی نفی ہو جو یہاں پیش کی گئی ہیں۔

پبلشر: ندیم فاضل: پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق
”ایوان جمہور“ 107۔ ٹیپو بلاک، نیو گارڈن ٹاؤن، لاہور
فون: 35838341-35864994 فیکس: 35883582
ای میل hrcp@hrcp-web.org ویب سائٹ: www.hrcp-web.org
پرنٹر: مکتبہ جدید پریس، 14 ایمپرس، لاہور Registered No. LRL-15

کمپوز:
جمال احمد
سید رضا شاہ